بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۂ ق

آیاتہا ۴۵ | ۵۰ سُوْرَۃُ قٓ مَکِّیَّۃٌ ۳۴ | رکوعاتہا ۳

یہ سورت تمام کی تمام مکی ہے۔ اس کی پینتالیس آیات ہیں۔

حضرت حسن بصری، عطا، عکرمہ اور حضرت جابر کے نزدیک تمام سورت مکی ہے۔ حضرت ابن عباس اور قتادہ نے کہا: صرف ایک آیت مکی نہیں، وہ یہ ہے وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَمَا بَیۡنَہُمَا فِیۡ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ٭ۖ وَّ مَا مَسَّنَا مِنۡ لُّغُوۡبٍ ۝ صحیح مسلم میں ام ہشام بنت حارثہ بن نعمان سے مروی ہے کہا: ہمارا تنور اور رسول ﷺ کا تنور ایک ہی تھا یہ سلسلہ دو سال تک رہا یا ایک سال اور اس کا کچھ حصہ۔ میں نے قٓ ۚ وَالۡقُرۡاٰنِ الۡمَجِیۡدِ ۝ سورت نبی کریم ﷺ کی زبان سے سیکھی آپ اسے ہر جمعہ کو منبر پر بیٹھ کر خطبہ میں پڑھا کرتے تھے، جب آپ لوگوں کو خطاب فرمایا کرتے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ابو واقد لیثی سے پوچھا: رسول اللہ ﷺ عید قربان اور عید الفطر میں کیا تلاوت کیا کرتے تھے؟ تو انہوں نے جواب دیا: آپ ﷺ ان میں قٓ ۚ وَالۡقُرۡاٰنِ الۡمَجِیۡدِ ۝ اور اِقۡتَرَبَتِ السَّاعَۃُ وَانۡشَقَّ الۡقَمَرُ ۝ (القمر) تلاوت کیا کرتے تھے۔ بعد میں آپ کی نماز مختصر ہوگئی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

قٓ ۚ وَالۡقُرۡاٰنِ الۡمَجِیۡدِ ۝ۚ بَلۡ عَجِبُوۡۤا اَنۡ جَآءَہُمۡ مُّنۡذِرٌ مِّنۡہُمۡ فَقَالَ الۡکٰفِرُوۡنَ ہٰذَا شَیۡءٌ عَجِیۡبٌ ۝ۚ ءَاِذَا مِتۡنَا وَکُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِکَ رَجۡعٌۢ بَعِیۡدٌ ۝ قَدۡ عَلِمۡنَا مَا تَنۡقُصُ الۡاَرۡضُ مِنۡہُمۡ ۚ وَعِنۡدَنَا کِتٰبٌ حَفِیۡظٌ ۝ بَلۡ کَذَّبُوۡا بِالۡحَقِّ لَمَّا جَآءَہُمۡ فَہُمۡ فِیۡۤ اَمۡرٍ مَّرِیۡجٍ ۝

''قاف، قسم ہے قرآن مجید کی (کہ میرا رسول سچا ہے) مگر یہ (نادان) حیران ہیں اس بات پر کہ آیا ہے ان کے پاس ڈرانے والا ان میں سے، تو کہنے لگے کفار یہ تو بڑی عجیب وغریب بات ہے۔ (وہ کہتے ہیں) کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی ہو جائیں گے (تو پھر زندہ کیے جائیں گے) یہ واپسی تو (عقل سے) بعید ہے۔ ہم خوب جانتے ہیں جو زمین ان کے جسموں سے گھٹاتی ہے اور ہمارے پاس ایک کتاب ہے جس میں سب کچھ محفوظ ہے، بلکہ انہوں نے جھٹلایا (دین) حق کو جب وہ ان کے پاس آیا پس اس وجہ سے وہ بڑی الجھن میں پھنس گئے ہیں''۔

قٓ ۚ وَالۡقُرۡاٰنِ الۡمَجِیۡدِ ۝ عام قرأت قاف میں جزم کے ساتھ ہے۔ حضرت حسن بصری، ابن ابی اسحاق اور نصیر بن عاصم

نے قافِ پڑھا ہے کیونکہ کسرہ، جزم کا بھائی ہے جب اس کا آخر ساکن ہوا تو کسرہ کے ساتھ اسے حرکت دی۔ عیسیٰ ثقفی نے فاء کو فتحہ دیا ہے اسے خفیف ترین حرکت دی ہے۔ ہارون اور محمد بن سمیقع نے قافُ ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ عموماً یہ مبنی کی حرکت ہوتی ہے جس طرح منذ، قط، قبل اور بعد ہے۔ ق کے معنی میں اختلاف ہے کہ وہ کیا ہے؟

ابن زید، عکرمہ اور ضحاک نے کہا: یہ ایسا پہاڑ ہے جو زمین کو گھیرے ہوئے ہے جو سبز زمرد کا ہے اس کی وجہ سے آسمان سبز ہے۔ آسمان کے دونوں کنارے اس پر ہیں۔ آسمان اس پر قبہ کی صورت میں ہے لوگوں کو جو زمرد ملتا ہے وہ اسی پہاڑ سے گرا ہے ☆۔ ابو جوزاء نے اسے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ فراء نے کہا: اس تعبیر کی صورت میں ق پر اعراب کو ظاہر کرنا ضروری ہے کیونکہ یہ اسم ہے حروف تہجی میں سے نہیں ہے شاید اس کے اسم میں سے صرف قاف کو ذکر کیا گیا ہے جس طرح شاعر کا قول ہے:

قلتُ لھا قفی فقالتْ قاف (1)		میں نے اسے کہا: تو ٹھہر جا، تو اس نے کہا: قاف یعنی میں ٹھہر گئی۔

یہ اچھی تعبیر ہے اس کا ذکر سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ وہیب نے کہا: ذوالقرنین نے جبل قاف سے جھانکا اس نے اس کے نیچے چھوٹے پہاڑ دیکھے۔ ذوالقرنین نے کہا: تو کون ہے؟ اس نے کہا: میں قاف ہوں۔ پوچھا: یہ تیرے ارد گرد کون سے پہاڑ ہیں؟ اس نے جواب دیا: یہ میری رگیں ہیں کوئی شہر نہیں مگر اس میں میری رگوں میں سے ایک رگ ہے جب اللہ تعالیٰ کسی شہر میں زلزلہ کا ارادہ کرتا ہے تو وہ مجھے حکم دیتا ہے تو میں اس رگ کو حرکت دیتا ہوں تو اس علاقہ میں زلزلہ آ جاتا ہے۔ ذوالقرنین نے کہا: اے قاف! تو مجھے اللہ تعالیٰ کی عظمت کے بارے میں کچھ بتا۔ اس نے کہا: میرے رب کی شان عظیم ہے، میرے پیچھے زمین ہے، جس کی مسافت پانچ سو سال ضرب پانچ سو سال کی مسافت ہے، یہ پہاڑ برف کے ہیں وہ ایک دوسرے کو کھا رہے ہیں اگر یہ نہ ہوتے تو جہنم کی آگ اس زمین کو جلا کر رکھ دیتی۔ یہ تعبیر اس امر پر دال ہے کہ جہنم روئے زمین پر ہے اس کی جگہ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور یہ زمین کے کس کونہ میں ہے۔ ذوالقرنین نے کہا: میرے لیے اور کچھ بیان کرو۔ کہا: جبریل امین اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کھڑا ہے وہ سخت گھبرایا ہوا ہے اللہ تعالیٰ اس کی ہر دفعہ کی کپکپی سے ایک لاکھ فرشتہ پیدا فرماتا ہے وہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑے ہیں اپنے سر جھکائے ہوئے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ انہیں کلام کا اذن دیتا ہے تو وہ کہتے ہیں: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان یَوْمَ یَقُوْمُ الرُّوْحُ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۖ لَّا یَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَ قَالَ صَوَابًا ﴿۳۸﴾ (النباء) سے یہی مراد ہے یعنی وہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہتے ہیں۔ زجاج نے کہا: ق کا معنی ہے فیصلہ ہو چکا جس طرح حم کا معنی ہے معاملہ گرم ہو چکا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ق اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے اس کے ساتھ قسم اٹھائی ہے۔ ان سے یہ بھی منقول ہے: یہ قرآن کے ناموں میں سے نام ہے (2)؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ قرظی نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کے ناموں قدیر،

1۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 170		2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 339

☆ سب سے بہتر تعبیر وہ ہے جو قاضی بیضاوی نے اپنی تفسیر میں بیان کی ہے کہ یہ حروف تہجی کے اسماء ہیں اور اس پر ایک لطیف بحث فرمائی ہے۔

قاہر، قریب، قاضی اور قابض کا آغاز ہے (1)۔ شعبی نے کہا: یہ سورت کا آغاز ہے۔ ابوبکر وراق نے کہا: اس کا معنی ہے ہمارے امر اور ہماری نہی پر رک جا اور ان سے تجاوز نہ کر۔ محمد بن عاصم انطاکی نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں سے قرب ہے۔ اس کی وضاحت اس آیت میں بھی ہے وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ابن عطا نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب حضرت محمد ﷺ کے دل کی قسم اٹھائی ہے کیونکہ اس دل نے خطاب کا بوجھ اٹھایا یعنی حامل قرآن بنا۔ اور آپ کے دل کی حالت کی بلندی کی وجہ سے اس میں کسی گرانی کا اثر نہ چھوڑا۔

وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ بلند شان والا۔ ایک قول یہ کیا ہے: الْمَجِيْدِ کا معنی الکریم ہے (2)؛ یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس کا معنی کثیر ہے، یہ قدر و منزلت کی کثرت سے ماخوذ ہے (3)، یہ کثرت تعداد سے ماخوذ نہیں۔ یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے: كثير فلان في النفوس اس ضمن میں مشہور ضرب المثل ہے في كل شجر نار واستمجد المرخ والعفار یعنی ہر درخت میں آگ ہے اور مرخ اور عفار تمام درختوں پر بڑھ گئیں؛ یہ ابن بحر کا قول ہے۔ اس کے جواب قسم کے بارے میں یہ قول کیا گیا ہے قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ یعنی لام مقدر کا ارادہ کیا اصل کلام یوں تھی لقد علمنا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جواب قسم اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى ہے؛ یہ ترمذی محمد بن علی کا پسندیدہ نقطۂ نظر ہے کہا: ق ایسے اسم کے ساتھ قسم ہے جو عظیم اسماء میں سے ہے جو بندوں کے لیے ظاہر ہوئے وہ قدرت ہے نیز قرآن مجید کی قسم اٹھائی، پھر اسے بیان کیا جو قدرت سے ظاہر ہوا یعنی آسمانوں، زمین، بندوں کے رزقوں، انسانوں کو پیدا کرنا، یوم قیامت کی صفت، جنت اور دوزخ سب قدرت کے کرشمہ ہیں۔ پھر فرمایا: اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ تو قسم اس کلمہ پر واقع ہوئی گویا فرمایا: ق یعنی قدرت اور قرآن مجید کی میں نے قسم اٹھائی ہے کہ اس سورت میں جو میں نے بیان کیا ہے یہ نصیحت ہے اس کے لیے جس کا دل بینا ہو یا وہ توجہ سے سنے اور حاضر دماغ بھی ہو۔ ابن کیسان نے کہا: اس کا جواب مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ ہے۔

اہل کوفہ نے کہا: اس کا جواب قسم بَلْ عَجِبُوْٓا ہے۔ اخفش نے کہا: اس کا جواب محذوف ہے گویا فرمایا قٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ لتبعثن اس جواب پر یہ قول دلالت کرتا ہے: ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا۔

بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ، اَنْ محل نصب میں ہے تقدیر کلام یہ ہے لان جاءهم، مُّنْذِرٌ سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہے هم ضمیر کفار کے لیے ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مومنین اور کفار سب کے لیے ہے۔ پھر اس ارشاد کے ساتھ انہیں الگ الگ کیا۔ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ، قالوا نہیں فرمایا بلکہ ان کے حال، فعل کی قباحت کو بیان کیا اور کفر کے ساتھ ان کا وصف ذکر کیا جس طرح تو کہتا ہے: جاءني فلان فاسمعني المكروه وقال لي الفاسق أنت كذا وكذا۔ میرے پاس فلاں آیا اس نے مجھے ناپسندیدہ باتیں سنائیں اور مجھے فاسق نے کہا: تو ایسا، ایسا ہے۔

هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ عجیب امر وہ ہوتا ہے جس سے تعجب کیا جائے اسی طرح عجاب ہے عجاب تشدید کے ساتھ اس سے زیادہ عجیب ہوتا ہے اسی طرح أعجوبه ہے۔ قتادہ نے کہا: ان کا تعجب اس بارے میں تھا کہ انہیں ایک معبود کی طرف

1۔ زاد المسیر، صفحہ 233 2۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 62 3۔ تفسیر ماوردی، جلد 3، صفحہ 340

دعوت دی گئی (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ انہیں دوبارہ اٹھائے جانے کی جو خبر دی گئی اس پر انہوں نے عجب کا اظہار کیا۔ قرآن حکیم نے جس کی تصریح کی ہے وہ زیادہ بہتر ہے۔

ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا یعنی ہمیں دوبارہ اٹھایا جائے گا اس میں اضمار ہے ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ، رجع کا معنی لوٹانا ہے یعنی وہ لوٹانا محال ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: رجعتُہ ارجعہ رَجعا، رجع یرجع رُجوعا۔ اس میں ایک اور اضمار ہے یعنی انہوں نے کہا: کیا ہمیں دوبارہ اٹھایا جائے گا جب ہم مر جائیں گے بعث کا ذکر اگرچہ یہاں نہیں ہوا۔ اس کا ذکر کئی مواقع پر ہو چکا ہے قرآن ایک سورت کی طرح ہے نیز بعث کا ذکر اللہ تعالیٰ کے فرمان: بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ کے تحت موجود ہے کیونکہ وہ آخرت میں عقاب اور حساب سے خبردار کرتا ہے۔

قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ یعنی زمین جو ان کے جسموں کو کھاتی ہے ہم سے کوئی چیز گم نہیں ہوتی یہاں تک کہ دوبارہ لوٹانا ہم پر مشکل ہو۔ قرآن حکیم میں ہے قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ۝ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ۝ (طٰہٰ) صحیح میں ہے ''انسان کے ہر حصہ کو مٹی کھا جاتی ہے مگر دم گزا اسی سے اس کی تخلیق ہوئی اور اس سے ترکیب دیا جائے گا'' یہ روایت پہلے گزر چکی ہے۔

یہ بات ثابت ہے کہ انبیاء، اولیاء اور شہداء کے جسموں کو زمین نہیں کھاتی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جسموں کے کھانے کو زمین پر حرام کر دیا ہے۔ ہم نے اس کی وضاحت کتاب التذکرہ میں کر دی ہے۔ اور اس کتاب میں بھی یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

سدی نے کہا: نقص سے یہاں مراد موت ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ان میں سے جو مریں گے اور جو باقی رہیں گے ان کو ہم نے جان لیا۔ کیونکہ جو مرتا ہے اسے دفن کیا جاتا ہے گویا زمین لوگوں کو کم کرتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: مراد مشرکوں میں سے جو اسلام میں داخل ہوتا ہے۔

وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ۝ وہ کتاب ان کی تعداد اور ناموں کو یاد کرنے والی ہے یہ فعیل بمعنی فاعل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے یعنی وہ شیاطین سے محفوظ ہے یا اس میں ہر شے محفوظ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کتاب کا معنی علم اور شمار کرنا ہے جس طرح تو کہتا ہے: كتبت عليك هذا یعنی میں نے اسے محفوظ رکھا۔ یہ ضرورت کے بغیر ظاہر معنی کو ترک کرنا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یعنی ہمارے پاس ایک کتاب ہے جو انسانوں کے اعمال کی حفاظت کرتی ہے تاکہ ان اعمال پر ان کا محاسبہ کریں۔

بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ تمام کے قول میں حق سے مراد قرآن ہے؛ ماوردی نے اسے بیان کیا ہے (2)۔ ثعلبی نے کہا: حق سے مراد قرآن ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد اسلام ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔

فَهُمْ فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ ۝، مَّرِيْجٍ کا معنی خلط ملط ہے (3)۔ ایک دفعہ وہ کہتے ہیں: جادوگر ہے۔ کبھی کہتے ہیں: شاعر ہے۔ کبھی کہتے ہیں: کاہن ہے؛ یہ ضحاک اور ابن زید کا نقطہ نظر ہے۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 340　2۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 341　3۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 62

قتادہ نے کہا: اس کا معنی مختلف ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اس کا معنی ملتبس ہے۔ سب معانی قریب قریب ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اس کا معنی، فاسد ہے اسی معنی میں یہ جملہ ہے مرجت امانات الناس۔ لوگوں کی امانتیں فاسد ہوگئیں۔ مرج الدینُ والامرُ یعنی دین اور امر خلط ملط ہو گیا۔ ابوداؤد نے کہا:

مَرِجَ الدِّيْنُ فَأَعْدَدْتُ لَهٗ مُشْرِفَ الْحَارِكِ مَحْبُوْكَ الْكَتَدْ

دین خلط ملط ہو گیا تو میں نے اس کے لیے مضبوط کندھوں اور اٹھی ہوئی پیٹھ والا تیار کیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مریج سے مراد عجیب و غریب امر ہے۔ عمران بن ابی عطاء نے اس سے یہ نقل کیا ہے: **مَّرِيْجٍ** کا معنی خلط ملط ہے اور یہ شعر پڑھا:

فَجَالَتْ فَالْتَمَسْتُ بِهٖ حَشَاهَا فَخَرَّ كَأَنَّهٗ خُوْطٌ مَرِيْجُ

وہ گھومی میں نے اس کے پیٹ میں تیر تلاش کیا وہ گرا گویا خلط ملط ٹہنیاں ہیں۔

عوفی نے ان سے یہ نقل کیا ہے: گمراہی کے امر۔ وہ ان کا یہ قول تھا کہ وہ ساحر، شاعر، مجنون اور کاہن ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی متغیر ہے۔ مرج کا اصل معنی اضطراب اور قلق ہے۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: مرج امر الناس، مرج امر الدین و مرج الخاتم فی أصبعی۔ جب کمزوری کی وجہ سے انگوٹھی مضطرب ہوئی۔

حدیث میں ہے: ''اے عبداللہ! تیرا کیا حال ہوگا جب تو اس قوم میں ہوگا جن کے وعدے اور امانتیں خلط ملط ہوگئیں وہ اختلاف کا شکار ہو گئے تو وہ اس طرح اس طرح تھے۔ اور اپنی انگلیوں کا جال بنایا''۔ اسے ابوداؤد نے نقل کیا ہے ہم نے اس کا ذکر کتاب التذکرہ میں کیا ہے۔

اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَ زَيَّنّٰهَا وَ مَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ۝ وَ الْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَ اَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ۝ تَبْصِرَةً وَّ ذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ۝ وَ نَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّ حَبَّ الْحَصِيْدِ ۝ وَ النَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ۝ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ ۙ وَ اَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ؕ كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ۝

''کیا انہوں نے نہیں دیکھا آسمان کی طرف جو ان کے اوپر ہے ہم نے اسے کس طرح بنایا ہے اور اسے کیسے آراستہ کیا ہے اور اس میں کوئی شگاف نہیں اور زمین کو ہم نے پھیلا دیا اور جما دیے اس پر بڑے بڑے پہاڑ اور اگا دی ہیں اس میں ہر قسم کی رونق افزا چیزیں۔ یہ (آثار قدرت) بصیرت افروز اور یاد دہانی ہیں ہر اس بندے کے لیے جو اپنے رب کی طرف مائل ہے اور ہم نے اتارا آسمان سے برکت والا پانی پس ہم نے اگائے اس سے باغات اور اناج جس کا کھیت کاٹا جاتا ہے اور کھجور کے لمبے لمبے درخت جس کے گچھے (پھل سے) گندھے

ہوتے ہیں، بندوں کی روزی کیلئے اور ہم نے زندہ کردیا اس پانی سے مردہ شہر، یونہی (روز محشر ان کا) نکلنا ہوگا''۔

اَفَلَمْ یَنْظُرُوْٓا اِلَی السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ عبرت اور تفکر کی نظر سے نہیں دیکھتے اور یہ نہیں سوچتے کہ وہ ذات جو انہیں پیدا کرنے پر قادر ہے وہ دوبارہ اٹھانے پر بھی قادر ہے۔

كَيْفَ بَنَيْنٰهَا ہم نے انہیں بغیر ستونوں کے بلند کردیا ہے۔ وَ زَيَّنّٰهَا اور ہم نے انہیں ستاروں سے مزین کیا ہے۔ وَ مَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ۝ فُرُوْجٍ، فرج کی جمع ہے جس کا معنی شق ہے۔

امرء القیس کے شعر میں بھی یہ لفظ اسی معنی میں ہے:

تَسُدُّ بِهِ فَرْجَهَا مِنْ دُبُرٍ

کسائی نے کہا: اس میں کوئی تفاوت، اختلاف اور پھٹن نہیں۔ وَ الْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَ اَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ۔ سورۂ رعد میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ وَ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ یعنی نباتات کی تمام انواع سے۔ بَهِيْجٍ ۝ حسین جو دیکھنے والوں کو خوش کردے۔ سورۂ حج میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ تَبْصِرَةً یعنی ہم نے اسے تبصرہ بنایا ہے تاکہ اس کے ذریعے کمال قدرت پر دلالت کریں۔ وَ ذِكْرٰى اس کا عطف تَبْصِرَةً پر ہے۔ لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والا اور اس کی قدرت میں غور وفکر کرنے والا۔

وَ نَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ، السَّمَآءِ سے مراد بادل ہے۔ مَآءً مُّبٰرَكًا زیادہ برکت والا پانی۔ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّ حَبَّ الْحَصِيْدِ ۝ تقدیر کلام یہ ہے وحبّ النبت الحصید مراد ہر وہ چیز ہے جس کو کاٹا جاتا ہے؛ یہ بصریوں کا قول ہے۔ کوفیوں نے کہا: یہ شی کو اپنی ہی ذات کی طرف منسوب کرنا ہے، جس طرح کہا جاتا ہے: مسجد الجامع، ربیع الاول، حق الیقین، حبل الورید وغیرہ؛ یہ فراء کا قول ہے اصل میں الحب الحصید تھا الف، لام کو حذف کردیا گیا اور منعوت کو نعت کی طرف مضاف کیا گیا ہے۔ ضحاک نے کہا: حب الحصید سے مراد گندم اور جو ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ وہ دانہ جسے کاٹا جاتا ہے، ذخیرہ کیا جاتا ہے اور روزی بنایا جاتا ہے۔

وَ النَّخْلَ بٰسِقٰتٍ یہ حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے یہ وَّ حَبَّ الْحَصِيْدِ کی طرف لوٹ رہا ہے۔ بٰسِقٰتٍ حال ہے۔ بٰسِقٰتٍ سے مراد طویل ہے؛ یہ مجاہد اور عکرمہ کا قول ہے۔ قتادہ اور عبداللہ بن شداد نے کہا: ان کے بسوق سے مراد طوالت میں مستقیم ہونا ہے (1)۔ سعید بن جبیر نے کہا: اس کا معنی مستویات ہے (2)۔

حضرت حسن بصری، عکرمہ اور فراء نے کہا: معنی ہے بھاری، حاملہ بکری کو کہا جاتا ہے (3) بسقت جب وہ بچہ جن دے؛ شاعر نے کہا:

فَلَمَّا تَرَكْنَا الدَّارَ ظَلَّتْ مُنِيفَةً بِقُرَّانَ فيه الباسقات المواقر (4)

1۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 177
2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 212
3۔ تفسیر حسن بصری، جلد 1، صفحہ 63
4۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 343

جب ہم نے گھر کو چھوڑا تو وہ قرآن میں نمایاں ہو گیا اس میں لمبی پھل دار کھجوریں تھیں۔

پہلا معنی لغت میں بہت زیادہ استعمال ہوتا ہے اور مشہور ہے یہ کہا جاتا ہے: بسق النخل جب وہ لمبی ہو جائے۔ شاعر نے کہا:

لنا خمرٌ ولیست خمرَ کَرْمٍ　ولکنْ من نِتاجِ الباسِقاتِ

ہمارے پاس شراب ہے یہ انگور کی نہیں یہ لمبی کھجوروں کے پھل سے بنائی گئی ہے۔

یہ جملہ بولا جاتا ہے: بسق فلان علی أصحابه فلاں اپنے ساتھیوں پر بلند ہو گیا۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: أبسقتِ الناقة جب بچہ جننے سے پہلے اونٹنی کی کھیری میں دودھ آ گیا۔ اس سے اسم فاعل مبسق آتا ہے نوق مباسیق دودھ والی اونٹنیاں۔ حضرت قطبہ بن مالک نے کہا: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو باصقات یعنی صاد کے ساتھ پڑھتے ہوئے سنا، یہ ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: صحیح مسلم میں حضرت قطبہ بن مالک سے روایت مروی ہے کہ میں نے نماز پڑھی اور ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی (1) اور یہ قرأت کی قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ ۚ بَلْ عَجِبُوْۤا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَیْءٌ عَجِیْبٌ ۚ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِیْدٌ ۝ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِیْظٌ ۝ بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَهُمْ فِیْۤ اَمْرٍ مَّرِیْجٍ ۝ اَفَلَمْ یَنْظُرُوْۤا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَیْفَ بَنَیْنٰهَا وَزَیَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ۝ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَیْنَا فِیْهَا رَوَاسِیَ وَاَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۭ بَهِیْجٍ ۙ تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِیْبٍ ۝ وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِیْدِ ۙ وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ۔ میں اسے دہرانے لگا میں نہیں جانتا جو اس نے قول کیا ہے مگر قاف کی وجہ سے سین کو صاد سے بدلنا جائز نہیں۔

لَهَا طَلْعٌ نَّضِیْدٌ ۝، طَلْعٌ اسے کہتے ہیں جو کھجور کا پہلا پھل نکلتا ہے یوں باب ذکر کیا جاتا ہے طلع الطلع طلوعا واطلعت النخلة اس کے طلع سے مراد اس کا غلاف ہے جو ابھی پھٹا نہ ہو۔ نَّضِیْدٌ پھل جب تک غلاف میں ہوں۔ اس کا معنی ہے ان میں سے بعض کو بعض کے ساتھ جوڑ دیا گیا ہے جب وہ اپنے غلاف سے نکل آئے تو وہ نَّضِیْدٌ نہیں کہلاتا۔

رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ یعنی ہم نے بندوں کو رزق دیا۔ رِّزْقًا مفعول مطلق ہے یا اس کا معنی ہے أنبتنا رزقا ہم نے اسے بطور رزق اُگایا۔ کیونکہ انبات، رزق کے معنی میں ہے یا رزقا مفعول لہ ہے، تقدیر کلام یہ ہوگی أنبتنا ها لرزقهم۔ رزق اسے کہتے ہیں جو انتفاع کے لیے تیار کیا گیا ہو۔ اس بارے میں بحث پہلے گزر چکی ہے۔

وَاَحْیَیْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا ۚ كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ۝ یعنی قبروں سے نکلنا ہو گا یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس مردہ زمین کو زندہ کیا اسی طرح تمہیں موت دینے کے بعد زندہ کرے گا۔ كَذٰلِكَ کاف محل رفع میں ہے کیونکہ یہ مبتدا ہے۔ یہ بحث کئی مواقع پر گزر چکی ہے۔ مَّیْتًا فرمایا کیونکہ مقصود مکان ہے اور میتة ہوتا تو بھی جائز تھا۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّاَصْحٰبُ الرَّسِّ وَثَمُوْدُ ۙ ۝ وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَاِخْوَانُ لُوْطٍ ۙ ۝

1۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب القرأۃ فی الصبح، جلد 1، صفحہ 186

وَّ اَصْحٰبُ الْاَیْكَةِ وَ قَوْمُ تُبَّعٍ ؕ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِیْدِ ﴿۱۴﴾ اَفَعَیِیْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ ؕ بَلْ هُمْ فِیْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ ﴿۱۵﴾

''(حق کو) جھٹلایا تھا ان (اہل مکہ) سے پہلے قوم نوح، اہل فارس اور ثمود نے اور (جھٹلایا تھا) عاد، فرعون اور قوم لوط نے نیز ایکہ کے باشندوں اور تبع کی قوم نے، ان سب نے جھٹلایا تھا رسولوں کو پس پورا ہو گیا (ہمارا) عذاب کا وعدہ تو کیا ہم تھک گئے ہیں پہلی مرتبہ مخلوق کو پیدا کر کے، (ایسا نہیں) بلکہ یہ (کفار) از سر نو پیدا ہونے کے بارے میں شک میں ہیں''۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ یعنی جس طرح انہوں نے جھٹلایا ہے اسی طرح ان لوگوں نے بھی جھٹلایا تھا تو ان پر عذاب نازل ہوا۔ ان کے سامنے ان جھٹلانے والوں کا ذکر کیا اور جس عذاب نے انہیں اپنی گرفت میں لیا تھا اس سے انہیں ڈرایا۔ ہم نے ان کے واقعات کئی مواقع پر ذکر کیے ہیں، جہاں بھی ان کا تذکرہ ہوا۔ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ یعنی ان جھٹلانے والی قوموں نے رسولوں کو جھٹلایا۔ فَحَقَّ وَعِیْدِ تو ان پر میری وعید اور میرا عقاب ثابت ہو گیا۔

اَفَعَیِیْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ کیا ہم پہلی دفعہ پیدا کرنے کی وجہ سے تھک گئے تھے کہ ہم دوبارہ اٹھانے سے تھک جائیں گے۔ یہ بعث کے منکروں کو شرمندہ کرنے کے لیے ہے اور ان کے قول ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِیْدٌ کا جواب ہے۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے عییتُ بالأمر جب تو اس کی صحیح توجیہہ نہ جانے۔

بَلْ هُمْ فِیْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ ﴿۱۵﴾ وہ دوبارہ اٹھائے جانے کے بارے میں حیرت میں مبتلا ہیں۔ ان میں سے کچھ تصدیق کرنے والے اور کچھ تکذیب کرنے والے ہیں۔ یوں باب ذکر کیا جاتا ہے لبس علیه الأمر یلبسه لبسا۔

وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَ نَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۖۚ وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ ﴿۱۶﴾ اِذْ یَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّیٰنِ عَنِ الْیَمِیْنِ وَ عَنِ الشِّمَالِ قَعِیْدٌ ﴿۱۷﴾ مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ ﴿۱۸﴾ وَ جَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِیْدُ ﴿۱۹﴾

''اور بلاشبہ ہم نے ہی انسان کو پیدا کیا ہے اور ہم (خوب) جانتے ہیں اس کا نفس جو وسوسے ڈالتا ہے اور ہم اس سے شہ رگ سے بھی زیادہ نزدیک ہیں۔ جب (اس کے اعمال کو) لے لیتے ہیں دو لینے والے (ان میں سے) ایک دائیں جانب اور (دوسرا) بائیں جانب بیٹھا ہوتا ہے وہ نہیں نکالتا اپنی زبان سے کوئی بات مگر اس کے پاس ایک نگہبان (لکھنے کے لیے) تیار ہوتا ہے۔ اور آ پہنچی ہے موت کی بے ہوشی سچ مچ (اے نادان!) یہ ہے وہ جس سے تو دور بھاگا کرتا تھا''۔

وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ، الْاِنْسَانَ سے مراد لوگ ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ وَ نَعْلَمُ مَا

تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ یعنی اس کے سر، اس کے دل اور ضمیر میں جو کھٹکتا ہے۔ اس میں ان نافرمانیوں پر جھڑکا جا رہا ہے جن کو انسان چھپاتا ہے۔ جس نے کہا: انسان سے مراد حضرت آدم علیہ السلام کی ذات ہے تو نفس نے جو وسوسہ ڈالا تھا وہ درخت سے کھانا تھا۔ پھر ان کی اولاد کے لیے عام ہے۔ وسوسہ سے مراد حدیث نفس ہے جو خفی کلام کے قائم مقام ہوتی ہے۔

اعمش نے کہا: تسمع للحلی وسواسا إذا انصرفت جب وہ واپس جاتی ہے تو تو زیورات کی خفی آواز سنتا ہے۔ سورۃ الاعراف میں معنی گزر چکا ہے۔

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ۝ یہ کندھے کی رگ ہے یہ اس کے حلق کے کنارے سے اس کے کندھے تک پھیلی ہوئی ہے وہ دائیں اور بائیں جانب سے دو رگیں ہیں۔ اس کا یہ معنی حضرت ابن عباس اور دوسرے علماء سے مروی ہے اور یہی لغت میں معروف ہے۔ حَبْلِ سے مراد درید ہی ہے اسے اپنی ہی ذات کی طرف مضاف کیا ہے کیونکہ دونوں لفظ مختلف ہیں۔ حضرت حسن بصری نے کہا: ورید سے مراد دل کی رگ ہے یہ ایسی رگ ہے جس کا تعلق دل سے ہوتا ہے یہ قرب کی تمثیل ہے یعنی شہ رگ جتنی اس کے قریب ہے اور ہم اس کے اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ یہ قرب مسافت کی بنا پر نہیں ہوتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یعنی شہ رگ کو اس پر جو غلبہ ہوتا ہے ہم اس پر اس سے بھی زیادہ ملکیت رکھتے ہیں کیونکہ یہ ایسی رگ ہے جو دل کے ساتھ ملی ہوتی ہے یہ قرب علم اور قدرت کا قرب ہے۔ انسان کے اجزاء ایک دوسرے سے چھپے ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کے علم سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔

اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ۝ یعنی جب دونوں فرشتے اس کے عمل کو لیتے ہیں تو ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہوتے ہیں وہ دو فرشتے ہیں جو اس پر مقرر ہیں یعنی ہم اس کے احوال سے آگاہ ہیں ہم کسی فرشتے کے محتاج نہیں جو اسے خبر کرے لیکن دونوں فرشتوں کو ذمہ داری سونپی گئی ہے مقصد دلیل قائم کرنا اور امر کو موکد کرنا ہے؛ حضرت حسن بصری، مجاہد اور قتادہ نے کہا ہے۔

الْمُتَلَقِّيٰنِ دو ایسے فرشتے جو تیرے عمل کو لیتے ہیں ان میں سے ایک تیری دائیں جانب ہے جو تیری نیکیاں لکھتا ہے اور دوسرا بائیں جانب ہے جو تیری برائیاں لکھتا ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: یہاں تک کہ جب تو مرے گا تو تیرا نامہ اعمال لپیٹ دیا جائے گا اور تجھے قیامت کے روز کہا جائے گا: اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا۝ (اسراء) اللہ کی قسم اس ذات نے تیرے ساتھ عدل کیا جس نے تیرا محاسب تیری ذات کو بنایا ہے۔

مجاہد نے کہا: اللہ نے انسان کے احوال جاننے کے باوجود دو فرشتے رات کے لیے اور دو فرشتے دن کے لیے مقرر کیے جو اس کے اعمال یاد رکھتے ہیں اور اس کے اعمال لکھتے رہتے ہیں: مقصد حجت قائم کرنا ہے ان میں سے ایک اس کی دائیں جانب ہے جو نیکیاں لکھتا ہے اور دوسرا بائیں جانب ہے جو برائیاں لکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ۝ سے یہی مراد ہے۔ سفیان نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ نیکیاں لکھنے والا، برائیاں لکھنے والے پر امین ہے جب کوئی بندہ گناہ کرتا ہے تو وہ دوسرے کو کہتا ہے: جلدی نہ کر ممکن ہے وہ اللہ تعالیٰ

سے بخشش طلب کرے۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہی معنی مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''نیکیاں لکھنے والا آدمی کی دائیں جانب اور برائیاں لکھنے والا اس کی بائیں جانب ہوتا ہے اور نیکیاں لکھنے والا برائیاں لکھنے والے پر امین ہوتا ہے جب بندہ کوئی نیکی کرتا ہے تو دائیں سمت والا دس نیکیاں لکھتا ہے اور جب وہ برائی کرتا ہے تو دائیں سمت والا فرشتہ بائیں جانب والے فرشتے کو کہتا ہے: سات ساعتوں تک نہ لکھو ممکن ہے وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرے یا استغفار کر لے'' (1)۔

حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تیرے دونوں فرشتوں کے بیٹھنے کی جگہ تیرے سامنے کے دانت ہیں تیری زبان ان کا قلم ہے، تیری تھوک ان کی روشنائی ہے جب کہ تو بے مقصد کاموں میں شروع رہتا ہے اور تو اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں سے حیاء نہیں کرتا''۔ ضحاک نے کہا: ان دونوں کے بیٹھنے کی جگہ سامنے کے دانتوں کے نیچے نچلے جبڑے پر ہے؛ اسے عوف نے حضرت حسن بصری سے نقل کیا ہے کہ حضرت حسن بصری کو یہ بات خوش کرتی تھی کہ اپنی داڑھی کو صاف کریں۔ یہاں آیت میں قَعِیْدٌ فرمایا ہے قعیدان نہیں فرمایا جب کہ دانت دو ہیں کیونکہ یمین سے مراد ایک قَعِیْدٌ اور شمال سے مراد بھی ایک قَعِیْدٌ ہے پہلے کو حذف کر دیا گیا کیونکہ دوسرا اس پر دلالت کرتا ہے؛ یہ سیبویہ کا قول ہے؛ اس معنی میں شاعر کا قول ہے:

نَحْنُ بما عِندنا وأنتَ بما عِندكَ راضٍ والرّأيُ مُختَلِفُ(2)

ہم اس پر راضی ہیں جو ہمارے پاس ہے اور تم اس پر راضی ہو جو تمہارے پاس ہے جب کہ رائے مختلف ہے۔

محل استدلال راض ہے، یہاں راضیان نہیں فرمایا۔

اس طرح فرزدق کے شعر میں غدورین کی جگہ غدور مذکور ہے۔

إنّي ضَمِنتُ لمن أتاني ماجَنَى　وأبَى فكانَ وكنتُ غيرَ غَدُور

مبرد کا مذہب ہے تلاوت میں پہلا ہے بطور مجاز اسے دوسرا بنا لیا گیا ہے دوسرے کو حذف کر دیا گیا کیونکہ پہلا اس پر دلالت کرتا ہے۔ اخفش اور فراء کا مذہب ہے کہ تلاوت میں جو لفظ ہے یہ دو اور جمع کو ادا کرتا ہے کلام میں کوئی حذف نہیں۔ قعید، قاعد کے معنی میں ہے جس طرح سمیع، علیم، قدیر اور شہید۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: قعید، مُقاعد کے معنی میں ہے جس طرح اکیل اور ندیم یہ مواکل اور منادم کے معنی میں ہے۔

جوہری نے کہا: فعیل اور فعول میں واحد، تثنیہ اور جمع سب برابر ہیں؛ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶﴾ (شعراء) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِیْرٌ ﴿۴﴾ (تحریم) دونوں آیات میں محل استدلال رسول اور ظہیر ہے۔ شاعر نے جمع کے بارے میں کہا ثعلبی نے اسے پڑھا ہے:

أَلِكْنِي إِلَيْهَا وَخَيْرُ الرَّسُولِ أَعْلَمُهُمْ بِنَوَاحِي الْخَبَرِ

مجھے اس کی طرف بھیج اور بہترین قاصد وہ ہوتا ہے جو ان میں سے خبر کی اطراف کو ہر اعتبار سے جانتا ہو۔ یہاں قعید سے

1۔ زاد المسیر، جلد 7، صفحہ 237　2۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 183

مراد ملازم اور ثابت ہے یہ قائم کی ضد نہیں۔

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ۝ وہ کوئی بات نہیں کرتا مگر اسے اس کے حق میں لکھ لیا جاتا ہے۔ یہ لفظ الطعام سے ماخوذ ہے اس کا معنی منہ سے باہر نکلنا ہے۔ رقیب میں تین وجوہ ہیں(1) (۱) امور کی نگہبانی کرنے والا (۲) حفاظت کرنے والا، یہ سدی کا قول ہے (۳) مراد شاہد ہے؛ یہ ضحاک کا قول ہے عَتِيْدٌ میں دو وجوہ ہیں۔ (۱) ان دونوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ حاضر ہو غائب نہ ہو (۲) حفاظت کرنے والا جسے حفاظت کے لیے یا شہادت کے لیے تیار کیا گیا ہو۔ جوہری نے کہا: عَتِيْدٌ سے مراد ایسی شے ہے جو حاضر ہو اور تیار کی گئی ہو۔ یوں کہا جاتا ہے: عتدہ تعتیدا و اعتدہ اعتادا اسے دن کے لیے تیار کیا۔ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً (یوسف: 31) اسی طرح فرس عَتَدٌ اور عَتِدٌ ہے۔ یعنی تاء پر فتحہ اور کسرہ ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کا معنی حضور ہے؛ اسی معنی میں شاعر کا شعر ہے:

لَئِنْ كُنْتَ مِنِّي فِي العِيَانِ مُغَيَّباً فذكرك عندي في الفؤادِ عَتِيدُ

اگر تو ظاہر میں مجھ سے غائب ہے، تیرا ذکر میرے دل میں موجود ہے۔

ابو جوزاء اور مجاہد نے کہا: انسان پر ہر چیز لکھی جا رہی ہے یہاں تک کہ اس کی مرض میں اس سے جو آواز نکلتی ہے وہ بھی لکھی جاتی ہے۔ عکرمہ نے کہا: صرف وہی چیز لکھی جاتی ہے جس پر اجر دیا جاتا ہے یا جس پر گناہ ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو کچھ وہ کلام کرتا ہے وہ اس پر لکھا جاتا ہے جب دن کا آخری پہر ہوتا ہے تو جو مباح تھا وہ مٹا لیا جاتا ہے جس طرح یہ الفاظ ہیں اِنْطَلِقْ، اُقْعُدْ اور كُلْ۔ جس کے ساتھ کوئی اجر اور گناہ متعلق نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''دونوں محافظ فرشتے ان اعمال کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ صحیفہ کے آغاز میں نیکی اور ان کے آخر میں بھی نیکی پاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کو فرماتا ہے: گواہ رہو میں نے اپنے بندے کو اس وجہ سے بخش دیا ہے جو صحیفہ کے دونوں طرفوں میں ہے''۔

حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہیں جن کے پاس سفید صحیفے ہیں ان فرشتوں نے ان کے آغاز اور آخر میں نیکی لکھی ہوئی ہے تو اللہ تعالیٰ ان کے درمیان میں جو کچھ ہے وہ تمہارے لیے بخش دیتا ہے۔

ابو نعیم حافظ نے نقل کیا ہے کہ ابو طاہر محمد بن فضل بن محمد بن اسحاق بن خذیمہ، ابو نعیم حافظ سے وہ ابو طاہر محمد بن فضل بن محمد بن اسحاق بن خذیمہ سے وہ محمد بن اسحاق سے وہ محمد بن موسیٰ حرشی سے، وہ سہیل بن عبد اللہ سے وہ اعمش سے وہ زید بن وہب سے وہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب دونوں محافظ فرشتے بندے یا امت پر نازل ہوتے ہیں تو ان کے پاس مہر لگی کتاب ہوتی ہے بندہ یا امت جو منہ سے کلمہ نکالتی ہے وہ اسے لکھ لیتے ہیں جب وہ دونوں اٹھنے کا ارادہ کرتے ہیں تو ان میں سے ایک دوسرے سے کہتا ہے: مہر لگی کتاب کو کھولو جو تیرے

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 347

پاس ہے، تو وہ اسے کھولتا ہے تو اس نے جو کچھ لکھا ہوتا ہے اس کتاب میں اس کے برابر ہوتا ہے" اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا یہی مطلب ہے مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ ﴿۱۸﴾ یہ اعمش کی حدیث جو زید سے مروی ہے غریب ہے ان سے صرف سہیل نے روایت کی ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کے لیے دو فرشتے مقرر فرمائے ہیں جو اس کا عمل لکھتے ہیں۔ جب وہ آدمی مرتا ہے دونوں کہتے ہیں: اے ہمارے رب! فلاں آدمی مر گیا ہمیں اجازت دے کہ ہم آسمان کی طرف چڑھ آئیں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: میرے آسمان میرے فرشتوں سے بھرے ہوئے ہیں جو میری تسبیح کر رہے ہیں۔ وہ دونوں عرض کرتے ہیں: اے ہمارے رب! ہم زمین میں قیام کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: میری زمین میری مخلوق سے بھری ہوئی ہے وہ میری تسبیح کر رہی ہے۔ وہ دونوں عرض کرتے ہیں: پھر ہم کہاں رہیں؟ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: تم دونوں میرے بندے کی قبر پر رہو دونوں تکبیر کہو، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھو اور میری تسبیح بیان کرو اور یہ عمل میرے بندے کے لیے لکھتے رہو یہ سلسلہ قیامت تک جاری رکھو"۔

وَ جَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ، سَكْرَةُ سے مراد سختی ہے انسان جب تک زندہ رہتا ہے تو اس کے اقوال اور افعال اس پر لکھے جاتے ہیں تاکہ ان اعمال پر اس کا محاسبہ کیا جائے پھر موت آجاتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس سے جو وعدہ اور وعید کیا ہوتا ہے وہ اسے سب کچھ عیاں دیکھتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حق سے مراد موت ہے اسے حق کا نام دیا ہے کیونکہ وہ یقینی ہے یا وہ دار حق کی طرف منتقل کر دیتی ہے (1)۔ اس تعبیر کی بنا پر کلام میں تقدیم و تاخیر ہے تقدیر کلام یہ ہوگی وجاءت سکرۃ الحق بالموت؛ یہ مہدوی نے ذکر کیا ہے۔ جس نے قرآن پر طعن کیا ہے اس نے گمان کیا اور کہا: میں مصحف کی اسی طرح مخالفت کرتا ہوں جس طرح حضرت ابو بکر صدیق نے مخالفت کی اور پڑھا وجاءت سکرۃ الحق بالموت۔

اس کے خلاف یوں استدلال کیا جائے گا کہ حضرت ابو بکر صدیق سے اس بارے میں دو روایات مروی ہیں ان میں سے ایک مصحف کے موافق ہے اسی پر عمل ہوگا اور دوسری ترک کر دی گئی ہے وہ بھلا دیئے جانے کے قائم مقام ہے اگر آپ نے کہا بھی ہو یا یہ ان لوگوں کی غلطی ہے جنہوں نے اسے نقل کیا ہے۔

ابو بکر انباری نے کہا اسماعیل بن اسحاق قاضی، علی بن عبد سے وہ جریر سے وہ منصور سے وہ ابو وائل سے وہ مسروق سے روایت نقل کرتے ہیں کہ جب حضرت ابو بکر صدیق کے وصال کا وقت قریب آیا تو آپ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف پیغام بھیجا جب حضرت عائشہ صدیقہ ان کے پاس حاضر ہوئیں تو عرض کی یہ تو معاملہ اسی طرح ہے جس طرح شاعر نے کہا:

إذا حَشْرَجَتْ یوماً وضاق بها الصَّدْرُ (2)

جب کسی روز گھنگھرو بولنے لگا اور سینہ تنگ ہو گیا۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تو نے وہ کیوں نہیں کہا جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَ جَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِیْدُ ﴿۱۹﴾ اور حدیث ذکر کی۔ سَكْرَةُ یہ سکرات کی واحد ہے۔ صحیح میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 348
2۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 185

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے چھاگل یا کوئی چمڑے کا برتن تھا جس میں پانی تھا آپ اپنا ہاتھ پانی میں داخل کرتے اور اپنے چہرے پر پھیرتے اور یوں کہتے: ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، إن للموت سكرات اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی معبود نہیں ہے بے شک موت کی سختیاں ہیں''۔ پھر آپ نے اپنے ہاتھ کھڑے کیے اور یوں کہنے لگے: ''في الرفيق الاعلى'' یہاں تک کہ آپ کی روح قبض کر لی گئی اور آپ کا ہاتھ مڑ گیا: اسے امام بخاری نے نقل کیا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: ''نیک بندہ موت اور اس کی سختیوں کو برداشت کرتا ہے اور اس کے جوڑ ایک دوسرے کو سلام کرتے ہیں وہ کہتے ہیں: السلام علیک میں قیامت کے روز تک تجھے اور تو مجھے چھوڑ رہا ہے'' (1)۔

حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے کہا: اے حواریوں کی جماعت! اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ وہ تم پر جنت کی سختی آسان کر دے۔ روایت بیان کی گئی ہے موت تلوار کے وار، آری کے چیرنے اور قینچی کے ساتھ کاٹنے سے زیادہ سخت ہے۔

ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ ۝ جس پر موت کی سختی طاری ہوا سے یہ کلمات کہنے جانے چاہئیں یعنی یہ وہ چیز ہے جس سے تو نہ بھاگ سکتا ہے اور نہ تو ایک طرف ہو سکتا ہے۔ یوں اس کا باب چلایا جاتا ہے حاد عن الشيء يحيد حيودا وحيدة وحيدودة اس سے اعراض کیا اور اس سے مائل ہوا۔ اس کی اصل حَيَدودة ہے یعنی یا متحرک ہے اسے ساکن کر دیا گیا کیونکہ صعفوق کے علاوہ کلام میں کوئی فعلول کا وزن نہیں۔ تو اپنے بارے میں خبر دیتے ہوئے کہتا ہے: حدت عن الشيء وأحيد حيدا ومحيدا۔ جب تو اس سے اعراض کرے۔ طرفہ نے کہا:

أبا منذرٍ رُمتَ الوفاءَ فَهِبتَه وحِدتَ كما حادَ البعيرُ عن الدَّحْض

اے ابومنذر! تو نے وفا کا قصد کیا تو تو اس سے ڈر گیا اور تو نے اعراض کیا جس طرح اونٹ پھسلنے کی جگہ سے اعراض کرتا ہے۔

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ ۭ ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ ۝ وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ ۝
لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ۝

''اور صور پھونکا جائے گا یہی وعید کا دن ہوگا اور حاضر ہوگا ہر شخص اس طرح کہ اس کے ہمراہ ایک (اسے) ہانکنے والا اور ایک گواہ ہوگا۔ تو عمر بھر غافل رہا اس دن سے پس ہم نے اٹھا دیا ہے تیری آنکھوں سے تیرا پردہ سو تیری بینائی بڑی تیز ہے''۔

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ اس نفخہ سے مراد دوسرا نفخہ ہے جو دوبارہ اٹھانے کے لیے ہوگا۔ ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ ۝ یعنی وہ دن جس کی اللہ تعالیٰ نے کفار کو دھمکی دی ہے کہ اس دن میں اللہ تعالیٰ انہیں عذاب دے گا۔ صور پھونکنے کے بارے میں گفتگو پہلے مفصل گزر چکی ہے۔ الحمد للہ۔

وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ ۝ سَآئِقٌ اور شَهِيْدٌ میں اختلاف کیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: سائق فرشتوں سے اور شہید ان کی ذاتوں میں سے ہاتھ اور پاؤں ہیں (2)؛ اسے عوفی نے حضرت ابن عباس سے

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 924 2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 215

روایت کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: سائق سے مراد فرشتہ اور شہید سے مراد عمل ہے۔ حضرت حسن بصری اور قتادہ نے کہا: سائق سے مراد جو اسے ہانک کر لے جائے گا اور شاہد اس سے مراد جو اس کے عمل کے بارے میں گواہی دے گا۔ ابن مسلم نے کہا: سائق سے مراد شیاطین میں سے اس کا قرین ہے۔ اسے سائق اس لیے کہتے ہیں کیونکہ یہ اس کے پیچھے رہتا ہے اگرچہ اسے برانگیختہ نہ کرے۔

مجاہد نے کہا: سائق اور شہید دو فرشتے ہیں۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے منبر پر بیٹھ کر یہ ارشاد فرمایا: سائق سے مراد فرشتہ ہے جو اسے اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف ہانک کر لے جاتا ہے اور شہید سے مراد وہ ہے جو اس کے عمل کے بارے میں اس پر گواہی دے گا۔

میں کہتا ہوں: یہ صحیح ترین ہے کیونکہ حضرت جابر بن عبداللہ کی حدیث میں ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''اللہ تعالیٰ نے بندے کے حق میں جو کچھ پیدا کیا ہے انسان اس کے بارے میں غفلت میں ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں جب اللہ تعالیٰ اس کو پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو فرشتے سے فرماتا ہے اس کا رزق، اس کا عمل، موت کا وقت لکھو اور یہ بھی لکھ کہ وہ شقی ہے یا سعید ہے۔ پھر وہ فرشتہ چلا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ دوسرا فرشتہ بھیج دیتا ہے وہ اس کی حفاظت کرتا ہے یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جاتا ہے پھر اللہ تعالیٰ دو فرشتے بھیج دیتا ہے جو اس کی نیکیاں اور برائیاں لکھتے ہیں جب موت اس کے پاس آتی ہے تو وہ دونوں فرشتے اوپر چلے جاتے ہیں پھر اس پر موت کا فرشتہ آتا ہے پھر اس کے پاس قبر والے دو فرشتے آتے ہیں وہ اس کا امتحان لیتے ہیں پھر وہ اوپر چلے جاتے ہیں جب قیامت برپا ہوتی ہے تو نیکیوں اور برائیوں والا فرشتہ اترتا ہے تو وہ کتاب جو اس کے گلے میں باندھی گئی ہوتی ہے اسے کھولتے ہیں پھر وہ دونوں اس کے ساتھ حاضر ہوتے ہیں ان میں سے ایک ہانکنے والا اور دوسرا گواہ ہوتا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَقَدْ كُنْتَ فِیْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْیَوْمَ حَدِیْدٌ ۔ فرمایا تم ایک حالت کے بعد دوسری حالت میں ضرور چڑھ جاؤ گے'' یہاں طبق سے مراد رحال ہے پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تمہارے سامنے عظیم امر ہے اللہ تعالیٰ جو عظیم ہے اس سے مدد لو''۔ اسے ابو نعیم حافظ نے روایت کیا ہے یہ جعفر بن محمد بن علی کی حضرت جابر سے مروی حدیث ہے۔ اس کے بارے میں فرمایا: یہ جعفر کی حدیث غریب ہے اور حضرت جابر کی حدیث کو جابر جعفی نے ان سے تنہا نقل کیا ہے اور ان سے مفضل نے تنہا نقل کیا ہے۔

آیت میں دو قول ہیں (۱) یہ کافر اور مسلمان کے بارے میں عام ہے(1)؛ یہ جمہور کا قول ہے (۲) یہ کافر کے بارے میں خاص ہے؛ یہ ضحاک کا قول ہے۔

لَقَدْ كُنْتَ فِیْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ ابن زید نے کہا: اس سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے(2) یعنی اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم آپ دور جاہلیت میں قریش میں رسالت کے بارے میں ناواقف تھے۔

حضرت ابن عباس اور ضحاک نے کہا: مراد مشرک ہیں وہ امور کے انجام کے بارے میں غفلت میں تھے۔ اکثر مفسرین

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 349 2۔ ایضاً

نے کہا: مراد نیک اور فاجر ہے؛ یہ طبری کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اے انسان! تو اس بارے میں غفلت کا شکار تھا کہ ہر نفس کے ساتھ ایک سائق اور شہید ہے کیونکہ اس کا علم نصوص الٰہیہ سے ہی ہو سکتا ہے۔

فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ ہم نے تیرے اندھے پن کو ختم کر دیا۔ اس میں چار وجوہ ہیں (۱) وہ اپنی ماں کے پیٹ میں تھا تو اس کی پیدائش ہوئی؛ یہ سدی کا قول ہے (۲) جب وہ قبر میں تھا تو اسے اٹھایا گیا؛ یہ حضرت ابن عباس کے قول کا معنی ہے (۳) قیامت میں پیشی کے وقت؛ یہ مجاہد کا قول ہے (۴) یہ وحی کا نزول اور رسالت کی ذمہ داری اٹھانا ہے؛ یہ ابن زید کے قول کا معنی ہے(1)۔

فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ۝ اس سے مراد دل کی نظر ہے جس طرح یہ کہا جاتا ہے: وہ فقہ میں بصیرت رکھتا ہے۔ دل کی آنکھ اور بصیرت سے مراد یہ ہے کہ اس کا افکار کے شواہد اور عبرت کے نتائج کا دیکھنا ہے جس طرح آنکھ اشخاص اور اجسام میں سے جو سامنے آتے ہیں ان کو دیکھتی ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد آنکھ کا دیکھنا ہے۔ یہ معنی ظاہر ہے یعنی آج تیری آنکھ کی نظر تیز ہے، یعنی قوی ہے اور جو چیز تجھ سے حجاب میں تھی اس کو دیکھنے والی ہے۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد جب تیری برائیاں اور نیکیاں وزن کی جا رہی ہوں گی اس وقت تیری نظر ترازو کی زبان کی طرف ہوگی؛ یہ ضحاک کا قول ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ثواب و عقاب کو دیکھ رہا ہوگا؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کافر کو اٹھایا جائے گا اس کی نظر تیز ہوگی وہ آنکھ نیلی ہو جائے گی اور وہ اندھا ہو جائے گا اسے لقد کنتِ، عنكِ اور فبصرِكِ پڑھا گیا ہے۔ خطاب نفس کو ہے۔

وَقَالَ قَرِيْنُهٗ هٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيْدٌ ۝ اَلْقِيَا فِيْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ ۝ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيْبِ ۝ الَّذِيْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَاَلْقِيٰهُ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيْدِ ۝ قَالَ قَرِيْنُهٗ رَبَّنَا مَاۤ اَطْغَيْتُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍۭ بَعِيْدٍ ۝ قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَيَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَيْكُمْ بِالْوَعِيْدِ ۝ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَاۤ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝

''اور کہے گا اس کا (عمر بھر کا) ساتھی: یہ نامہ اعمال جو میرے پاس تھا بالکل تیار ہے جہنم میں جھونک دو ہر کافر سرکش کو جو سختی سے روکنے والا تھا نیکی سے، حد سے بڑھنے والا، شک کرنے والا تھا جس نے بنا رکھے تھے اللہ کے ساتھ کئی اور خدا پس جھونک دو اس بدبخت کو عذاب شدید میں۔ اس کا ساتھی شیطان بولے گا: اے ہمارے پروردگار! میں نے تو اسے سرکش نہیں بنایا تھا بلکہ وہ خود ہی گمراہی میں دور تک چلا گیا تھا (اللہ) فرمائے گا: مت جھگڑو میرے روبرو میں تو پہلے ہی تم کو وعید سنا چکا ہوں میرے ہاں حکم بدلا نہیں جاتا اور نہ میں اپنے بندوں پر ظلم کرتا ہوں''۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 349 2۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 190

وَ قَالَ قَرِیْنُهٗ، قرین سے مراد وہ فرشتہ ہے جس کو اس پر مقرر کیا جاتا ہے(2)؛ یہ حضرت حسن بصری، قتادہ اور ضحاک کا قول ہے۔ هٰذَا مَا لَدَیَّ عَتِیْدٌ ﴿۲۳﴾ یعنی اس کے اعمال جو لکھے گئے ہیں وہ میرے پاس محفوظ اور تیار ہیں۔ مجاہد نے کہا: وہ کہے گا یہ وہ چیز ہے جس کی تو نے مجھے بنی آدم کے متعلق ذمہ داری سونپی تھی میں نے اس انسان اور اس کے نامہ اعمال کو حاضر کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: معنی ہے میرے پاس جو عذاب ہے حاضر ہے۔ مجاہد نے یہ قول بھی کیا ہے: اس کے قرین سے مراد وہ شیطان ہے جو اس پر مسلط کیا گیا(1)۔

ابن زید نے کہا: ابن وہب نے اسے روایت نقل کی ہے مراد انسانوں میں سے اس کا دوست ہے اللہ تعالیٰ اس کے ساتھی سے فرمائے گا: اَلْقِیَا فِیْ جَهَنَّمَ۔ خلیل اور اخفش نے کہا: یہ عربوں کا فصیح کلام ہے کہ تو ایک کو تثنیہ کے صیغہ کے ساتھ خطاب کرے تو کہے: ویلك ارحلاها وازجراها وخذاه واطلقاه۔ یہ سب واحد کے لیے ہیں۔

فراء نے کہا: تو ایک آدمی کو کہتا ہے قوما عنا اس اسلوب کی اصل یہ ہے کہ انسان کے اعوان (مددگار) میں سے اس کے سفر میں اونٹوں، بھیڑ بکریوں اور ساتھیوں میں سے دو فرد ہوتے ہیں تو انسان کی کلام اس کے دو ساتھیوں کے متعلق ہوتی ہے اس معنی میں شعر میں ان کا قول ایک فرد کے لیے یوں ہوتا ہے خلیلی۔ اے میرے دو دوستو! پھر وہ کہتا ہے: یا صاح۔ اے میرے ساتھی! امراء القیس نے کہا:

خَلِیلِی مُرَّابِی علی أُمِّ جُنْدَبِ

اے میرے دو دوستو! مجھے ام جندب کے پاس سے گزارو۔

اس میں محل استدلال خلیلی ہے۔ اس کا ایک شعر ہے:

قِفَا نَبْكِ مِنْ ذِكْرَى حَبِیبٍ وَ مَنْزِلِ بِسَقْطِ اللِّوَى بَیْنَ الدَّخُولِ فَحَوْمَلِ

تم دونوں ٹھہرو ہم حبیب اور اس کی رہائش جو دخول اور حومل کے درمیان سقط اللوی میں ہے کو یاد کر کے رو لیں۔ محل استدلال قفا ہے۔

ایک اور نے کہا:

فإن تَزْجُرَانِی یا ابْنَ عَفَّانَ أَنْزَجِرْ(2) اے ابن عفان! اگر تم مجھے روکو گے تو میں رک جاؤں گا۔

یہاں بھی محل استدلال تزجرانی ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اسی طرح آیا ہے کیونکہ قرین جماعت اور دو افراد کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ مازنی نے کہا: اللہ تعالیٰ کا فرمان اَلْقِیَا، اَلْقِ اَلْقِ پر دلالت کرتا ہے۔ مبرد نے کہا: یہ تثنیہ کا صیغہ ہے جو تاکید کے لیے ہے معنی ہے الق الق، القیا تکرار کے قائم مقام ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ القیا تثنیہ کا صیغہ ہو اور حقیقی معنی پر ہو اللہ تعالیٰ دو فرشتوں سے خطاب کر رہا ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ سائق اور حافظ فرشتوں کو خطاب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اصل میں یہ القین تھا نون خفیفہ ہے

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 350 2۔ ایضاً

وقف میں الف سے بدل دیا گیا وصل کو وقف پر محمول کیا گیا۔ حضرت حسن بصری نے القین نون خفیفہ کے ساتھ پڑھا ہے جس طرح ہے وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ⊙ (یوسف) اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَنَسْفَعًۢا (العلق: 15)

كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ ⊙ عَنِيْدٍ کا معنی معاند ہے؛ یہ مجاہد اور عکرمہ کا قول ہے۔ بعض نے کہا: عَنِيْدٍ سے مراد حق سے اعراض کرنے والا ہے یوں کہا جاتا ہے: عند، یعند، عنودا یعنی حق کی مخالفت کی اور اس کو رد کیا جب کہ وہ حق کو پہچانتا ہے پس وہ عنید اور عاند ہے عنید کی جمع عُنُد ہے جس طرح رغیف کی جمع رُغُف آتی ہے۔

مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ خیر سے مراد فرض زکوٰۃ اور ہر واجب حق ہے۔ مُعْتَدٍ گفتگو، سیرت اور اپنے معاملہ میں ظالم ہے۔ مُّرِيْبٍ توحید کے بارے میں شک کرنے والا ہے؛ یہ حضرت حسن بصری اور قتادہ کا قول ہے (1)۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: اراب الرجل فھو مریب جب وہ شک کرے۔ وہ مشرک ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے: الَّذِيْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت ولید بن مغیرہ کے حق میں نازل ہوئی۔ اور مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ سے یہ مراد ہے کہ وہ اپنے بھتیجوں کو اسلام قبول کرنے سے روکتا تھا۔ فَاَلْقِيٰهُ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيْدِ ⊙ یہ پہلے امر کی تاکید ہے۔ قَالَ قَرِيْنُهٗ رَبَّنَا مَاۤ اَطْغَيْتُهٗ قرین سے مراد شیطان ہے جو اس سرکش کافر کے لیے معین کیا گیا تھا وہ اس کافر سے براءت کا اظہار کرے گا اور اس کو جھٹلائے گا۔ وَلٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍۭ بَعِيْدٍ ⊙ وہ حق سے بہت دور تھا وہ اپنے اختیار کے ساتھ سرکشی کرنے والا تھا میں نے تو صرف اسے دعوت دی تو اس نے میری دعوت کو قبول کر لیا۔ یہاں قرین سے مراد اس کا شیطان ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں؛ یہ مہدوی نے ذکر کیا ہے۔ ثعلبی نے کہا حضرت ابن عباس اور مقاتل نے کہا: قرین سے مراد فرشتہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ولید بن مغیرہ اس فرشتے کے بارے میں کہے گا جو اس کی برائیاں لکھا کرتا تھا: اے میرے رب! اس نے جلدی کی ہے۔ فرشتہ عرض کرے گا: اے ہمارے رب! میں نے اس کے بارے میں کوئی جلدی نہیں کی۔ سعید بن جبیر نے کہا: کافر عرض کرے گا اے ہمارے رب! اس نے میرے بارے میں زیادہ اعمال لکھے ہیں۔ فرشتہ عرض کرے گا: اے ہمارے رب! میں نے اس کا کوئی زائد عمل نہیں لکھا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَيَّ یعنی کفار اور شیاطین میں سے ان کے ساتھی میرے ہاں جھگڑا نہ کرو۔ قشیری نے کہا: یہ توجیہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ قرین سے مراد شیطان ہے۔

وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَيْكُمْ بِالْوَعِيْدِ ⊙ میں نے رسولوں کو بھیجا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: خطاب ہر جھگڑا کرنے والے کے لیے ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: خطاب دو افراد کو ہے اور صیغہ جمع کا آیا ہے۔

مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ ایک قول یہ کیا گیا ہے: قول سے مراد اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰۤى اِلَّا مِثْلَهَا (الانعام: 160) ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ⊙ (ہود) معنی ہے فراء نے کہا ہے: میرے پاس جھوٹ نہیں بولا جا سکتا، یعنی قول میں اضافہ نہیں ہو سکتا اور غیب کا علم ہونے کی وجہ سے اس میں کمی نہیں کی جا سکتی۔ وَمَاۤ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ⊙ یعنی جو جرم نہیں کرتا اس کو میں

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 66　2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 352

عذاب نہیں دیتا؛ یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے (2)۔ اس کے بارے میں گفتگو سورۂ حج اور دوسری سورتوں میں گزر چکی ہے۔

يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَاْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ۝٣٠ وَ اُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ ۝٣١ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِيْظٍ ۝٣٢ مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَ جَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبِۨ ۝٣٣ ادْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ ؕ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُوْدِ ۝٣٤ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ ۝٣٥

''(یاد کرو) وہ دن جب ہم جہنم سے پوچھیں گے کیا تو پر ہوگئی ہے وہ (جواباً) کہے گی کیا کچھ اور بھی ہے۔ اور قریب کر دی جائے گی جنت پرہیزگاروں کے لیے وہ (ان سے) دور نہیں ہوگی۔ یہی ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا یہ ہر اس شخص کے لیے ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والا، اپنی توبہ کی حفاظت کرنے والا ہے۔ جو ڈرتا تھا رحمن سے بن دیکھے اور ایسا دل لیے ہوئے آیا جو یاد الٰہی کی طرف متوجہ تھا داخل ہو جاؤ جنت میں سلامتی سے یہ ہمیشگی کا دن ہے، انہیں ہر وہ چیز ملے گی جس کی وہ وہاں خواہش کریں گے اور ہمارے پاس تو (ان کے لیے) اس سے بھی زیادہ ہے''۔

يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَاْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ۝ نافع اور ابو بکر نے یوم یقول یعنی یاء کے ساتھ پڑھا ہے وہ اسے لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَيَّ پر قیاس کرتے ہیں باقی نے نون کے ساتھ پڑھا ہے یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے خطاب ہے یہ عظمت کا نون ہے۔ حضرت حسن بصری نے یوم اقول پڑھا ہے۔ حضرت ابن مسعود اور دوسرے علماء نے اسے یوم یقال پڑھا ہے یوم کو نصب دی ہے کیونکہ اس کا معنی یہ بنتا ہے میرے ہاں اس روز قول نہیں بدلا جائے گا جس روز ہم جہنم سے کہیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں عامل فعل مقدر ہے وہ منذرھم ہے کیونکہ پہلے وعدہ گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے بھرے گا۔ اس استفہام کا یہ مدعا ہے کہ خبر کی تصدیق کی جائے، وعدہ کو ثابت کیا جائے، دشمنوں کو خبردار کیا جائے اور تمام بندوں کو متنبہ کیا جائے۔ جہنم کہے گی: کیا کوئی اور بھی ہے میرے اندر تو کوئی جگہ باقی نہیں جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کیا عقیل نے ہمارے لیے کوئی جگہ یا گھر چھوڑا ہے'' یعنی کچھ نہیں چھوڑا۔ کلام کا معنی انکار ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ استفہام، استہزاء کے معنی میں ہو، یعنی کیا کوئی اور ہے کہ میں زیادہ ہو جاؤں؟ یہ دونوں وجوہ کے لیے مناسب ہے کیونکہ استفہام میں انکار کی کوئی صورت موجود ہوتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہاں کوئی قول نہیں ہوگا یہ ضرب المثل کے طریقہ پر کلام ہے یعنی اس کی جو حالت ظاہر ہوگی وہ اس کے ناطق ہونے کے قائم مقام ہوگی؛ جس طرح شاعر نے کہا:

امتلأ الحوضُ وقال قَطْنِي مَهْلًا رُوَيْدًا قَدْ مَلَأْتَ بَطْنِي (1)

حوض بھر گیا اور کہا: میرے لیے کافی ہے مہلت دو تحقیق تو نے میرے پیٹ کو بھر دیا ہے۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 353

یہ مجاہد اور دوسروں کی تفسیر ہے یعنی کیا مجھ میں کوئی راستہ ہے میں بھر چکی ہوں۔
ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ آگ کو قوت گویائی عطا فرمائے گا یہاں تک کہ وہ بولے گی جس طرح اعضاء بولیں گے۔
یہ صحیح ترین قول ہے جس طرح ہم نے سورۂ فرقان میں بیان کیا ہے۔ صحیح مسلم، صحیح بخاری اور جامع ترمذی میں ہے کہ حضرت انس بن مالک نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے فرمایا: ''جہنم میں لگا تار پھینکا جاتا رہے گا اور وہ کہتی رہے گی کیا کوئی اور ہے یہاں تک کہ اللہ رب العزت اپنا قدم اس میں رکھے گا تو اس کا بعض بعض کی طرف لپٹ جائے گا اور وہ کہے گی تیری عزت اور کرم کی قسم بس بس۔ جنت میں لگا تار اضافہ ہوتا رہے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے مخلوق پیدا فرمائے گا اور جنت کے زائد حصے میں انہیں سکونت عطا فرمائے گا'' (1)۔ الفاظ مسلم شریف کے ہیں۔
ایک اور روایت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے: ''جہاں تک جہنم کا تعلق ہے وہ نہیں بھرے گی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس میں اپنا رجل رکھے گا تو وہ عرض کرے گی بس بس۔ اس موقع پر وہ بھر جائے گی اور اس کا بعض بعض کی طرف سمٹ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کے لیے مخلوق میں سے کسی پر بھی ظلم نہیں فرمائے گا۔ جہاں تک جنت کا تعلق ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے مخلوق پیدا فرمائے گا'' (2)۔ ہمارے علماء نے کہا: جہاں تک یہاں قدم کا تعلق ہے اس سے مراد وہ قوم ہے جنہیں اللہ تعالیٰ آگ کی طرف پہلے بھیجے گا۔ اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے سے ہے کہ جہنمی ہیں۔ اسی طرح رجل ہے اس سے مراد لوگوں اور دوسروں کی کثیر تعداد ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے:
رأیت رجلا من الناس و رجلا من جراد
میں نے لوگوں کی کثیر تعداد اور ٹڈی دل کی کثیر تعداد دیکھی۔
شاعر نے کہا:

فمرّبنا رِجْلٌ من النّاس و انزوی　　إلیهم من الحيّ الیمانینَ أرْجلُ

ہمارے پاس سے لوگوں کی کثیر تعداد گزری اور ان کے ساتھ یمنی قبائل کی کثیر تعداد شامل ہو گئی۔
اس معنی کی وضاحت وہ روایت کرتی ہے جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا: جہنم میں کوئی گھر، زنجیر، ہنٹر اور تابوت نہیں مگر اس پر جہنمی نام لکھا ہوا ہے۔ ہر داروغہ اس جہنمی کا انتظار کرتا ہے جس کا نام اور اس کی صفت اس نے پہچان رکھی ہے۔ جب ان میں سے ہر کوئی اس کو پورا پورا لے لیتا ہے جس کا اسے حکم دیا گیا اور جس کا وہ انتظار کر رہا تھا اور ان میں سے کوئی باقی نہ رہا تو داروغوں نے کہا: بس بس ہمیں کافی ہے، ہمیں کافی ہے۔ اس وقت جہنم ان پر سمٹ جائے گی جو اس میں ہوں گے اور جس کا انتظار کیا جا رہا تھا جب ان میں سے کوئی باقی نہیں رہے گا تو وہ سکڑ جائے گی۔ وہ جماعت جس کا انتظار کیا جا رہا تھا اسے قدم اور رجل سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس تاویل کی تائید حدیث بھی کرتی ہے ''جنت میں لگا تار اضافہ ہوتا رہے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے مخلوق پیدا فرمائے گا اور جنت کے زائد حصہ میں انہیں سکونت عطا کرے گا'' (3)۔ ہم نے اس کی اور

1۔ صحیح مسلم، کتاب الجنة، باب النار یدخلون فیها الجبارون، جلد 2، صفحہ 382　　2۔ ایضاً　　3۔ ایضاً

وضاحت کی ہے اور کتاب الاسماء والصفات میں اس کو بیان کیا ہے جو الکتاب الاسنی کا حصہ ہے۔ الحمدللہ۔

نضر بن شمیل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: حتی یضع الجبار فیھا قدمہ کا یہ معنی کیا ہے جس کے بارے میں پہلے سے علم ہے کہ وہ جہنمی ہے۔

وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ ﴿۳۱﴾ یعنی جنت ان کے قریب کر دی جائے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد ہے دنیا میں ہی جنت میں داخل ہونے سے پہلے جنت ان کے قریب کر دی جائے گی، یعنی ان کے دلوں کے اسے قریب رکھا گیا ہے جب انہیں کہا جائے گا: معاصی سے اجتناب کرو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جنت میں داخل ہونے کے بعد اس کے مواضع اس کے قریب کر دیئے جائیں گے وہ دور نہ ہوں گے۔ غَيْرَ بَعِيْدٍ وہ ان سے دور نہ ہوں گے۔ یہ کلام تاکید ہے۔

هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ یعنی انہیں کہا جائے گا: یہ وہ جزا ہے جس کا تم سے دنیا میں رسولوں کی زبانوں سے وعدہ کیا گیا تھا عام قرأت تُوْعَدُوْنَ ہے۔ تاء کے ساتھ خطاب کا صیغہ ہے، ابن کثیر نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے کہ یہ غائب کا صیغہ ہے کیونکہ اس کا ذکر متقین کے بعد آیا ہے۔

لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِيْظٍ ﴿۳۲﴾، اَوَّابٍ سے مراد معاصی سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے ہیں (وہ پھر لوٹتا ہے) اور گناہ کرتا ہے اور پھر گناہ سے توبہ کرتا ہے؛ ضحاک اور دوسرے علماء نے یہی قول کیا ہے۔ حضرت ابن عباس اور عطا نے کہا: اَوَّابٍ سے مراد تسبیح کرنے والا ہے (1)۔

یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ماخوذ ہے یٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ (سبا: 10) حکیم بن عتبہ نے کہا: اس سے مراد تنہائی میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا ہے۔ شعبی اور مجاہد نے کہا: اس سے مراد وہ ہے جو خلوت میں اپنے گناہوں کو یاد کرتا ہے اور ان پر اللہ تعالیٰ سے عفو کا طالب ہوتا ہے؛ یہ حضرت ابن مسعود کا قول ہے۔ عبید بن عمیر نے کہا: اس سے مراد وہ شخص ہے جو کسی مجلس میں نہیں بیٹھتا یہاں تک کہ وہ اس مجلس میں اللہ تعالیٰ سے بخشش کا طالب ہوتا ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے ہم یہ بات چیت کیا کرتے تھے کہ اَوَّابٍ حَفِيْظٍ سے مراد وہ ہے جب وہ اپنی مجلس سے اٹھتا ہے تو وہ سبحان اللہ و بحمدہ کہتا ہے اور یوں دعا کرتا ہے اے اللہ! میں تجھ سے اس گناہ پر بخشش کا طالب ہوں جو میں نے اس مجلس میں کیے ہیں۔ حدیث میں ہے "جب کوئی آدمی اپنی مجلس سے اٹھتے وقت کہے: سبحانك اللھم و بحمدك لا إله إلا أنت أستغفرك وأتوب إليك تو اس مجلس میں اس سے جو غلطی سرزد ہوئی تھی اللہ تعالیٰ اسے بخش دیتا ہے" (2)۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہی دعا کیا کرتے تھے۔ ایک عالم نے کہا: میں یہ پسند کرتا ہوں کہ میں کہوں أستغفرك وأسألك التوبة اور میں یہ کہنا پسند نہیں کرتا کہ میں کہوں: وأتوب إليك مگر میں جب حقیقی توبہ کروں۔

میں کہتا ہوں: یہ بہت اچھا ہے اور اس میں حدیث کی اتباع ہے۔ ابو بکر وراق نے کہا: اواب سے مراد خوشحالی اور تنگدستی میں اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے والا ہے۔ قاسم نے کہا: اس سے مراد وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کسی میں دل نہیں لگاتا۔

حَفِيْظٍ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد وہ شخص ہے جس نے اپنے گناہ یاد رکھے یہاں تک کہ ان سے

1۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 199 2۔ جامع ترمذی کتاب الدعوات، باب ما یقول اذا قام من المجلس، حدیث 3355 ضیاء القرآن پبلی کیشنز

رجوع کیا(1)۔ قتادہ نے کہا: حَفِيْظٍ سے مراد یہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنا حق اور نعمت عطا کی اور اسے اس پر امین بنایا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ مروی ہے مراد اللہ تعالیٰ کے امر کی حفاظت کرنے والا ہے اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے حق کی حفاظت کرتا ہے اس کا اعتراف کر کے اور شکر کر کے اس کی نعمت کو یاد کرتا ہے۔ ضحاک نے کہا: اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی وصیت کو قبول کر کے وصیت کو یاد رکھنے والا ہے۔ مکحول نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس نے دن کے پہلے پہر میں چار رکعت نماز (نفل) پر مواظبت اختیار کی تو وہ اواب و حفیظ ہے'' (2) یہ ماوردی نے ذکر کیا ہے۔

مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ، مَنْ محل جر میں ہے کیونکہ یہ اَوَّابٍ حَفِيْظٍ سے بدل ہے یا یہ اواب سے صفت ہے۔ نئے جملہ کے طریقہ پر یہ محل رفع میں بھی ہو سکتا ہے۔ اس کی خبر ادْخُلُوْهَا ہے۔ یہ تعبیر اس صورت میں ہوگی کہ جواب شرط حذف ہو گا۔ تقدیر کلام یہ ہوگی: فیقال لهم ادخلوها۔

خشية بالغيب سے مراد ہے کہ تو اس سے ڈرے جب کہ تو نے اسے دیکھا نہ ہو۔ ضحاک اور سدی نے کہا: یعنی وہ خلوت میں ڈرے جب کہ اسے کوئی دیکھ نہ رہا ہو۔ حضرت حسن بصری نے کہا: جب وہ پردہ لٹکا دے اور دروازہ بند کر دے (3)۔

وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبٍ، مُّنِيْبٍ سے مراد طاعت پر توجہ کرنے والا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد مخلص ہے۔ ابو بکر وراق نے کہا: منیب کی نشانی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حرمت کو جاننے والا ہو، اس سے دوستی رکھنے والا ہو، اس کے جلال کے سامنے تواضع کرنے والا ہو اور اپنی خواہش نفس کو ترک کرنے والا ہو۔

میں کہتا ہوں: یہ احتمال بھی موجود ہو کہ قلب منیب سے مراد قلب سلیم ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ (شعراء) جس طرح یہ بات پہلے گزر چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

ادْخُلُوْهَا اس صفت کے حامل افراد کو کہا جائے گا: ادْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُوْدِ یعنی عذاب سے سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کی جانب سے ان پر سلام ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نعمت کے زوال سے سلامتی ہے فرمایا: ادْخُلُوْهَا۔ کلام کے شروع میں ہے مَنْ خَشِيَ کیونکہ مَنْ جمع کے معنی میں ہے۔

لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا یعنی ان کے نفوس جو چاہیں گے اور اس کی آنکھیں جس سے لذت حاصل کریں گے۔ وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ یعنی ان کے لیے زائد نعمتیں ہوں گی جو ان کے دل میں کھٹکی تک نہیں۔ حضرت انس اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: ''مَزِيْدٌ سے مراد اللہ تعالیٰ کا بغیر کیفیت کے دیدار کرنا ہے''۔ احادیث مرفوع میں بھی اس کی یہی تعبیر آئی ہے کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے؛ ابن مبارک اور یحییٰ بن سلام دونوں نے ذکر کیا ہے۔ مسعودی، منہال بن عمرو سے وہ ابو عبیدہ بن عبد اللہ بن عتبہ سے وہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں فرمایا: ''جمعہ کی طرف جلدی کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر جمعہ کو اہل جنت کے لیے سفید کافور کے ٹیلہ میں ظہور فرماتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے قرب سے نوازے جاتے ہیں''۔ ابن مبارک

1۔ تفسیر طبری، ج26، صفحہ 200 2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 354-353 3۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 67

نے کہا: اس کا قرب اس قدر ہوگا جس قدر وہ دنیا میں جمعہ کی طرف جلدی کرتے تھے۔ یحییٰ بن سلام نے کہا: وہ دنیا میں جمعہ کے لیے جس قدر تیزی کیا کرتے تھے۔ اور یہ زائد ذکر کیا۔ اللہ تعالیٰ کرامت میں سے ان کے لیے ایسی چیز پیدا فرمائے گا جو انہوں نے اس سے قبل نہیں دیکھی ہوگی۔ یحییٰ نے کہا: میں نے مسعودی کے علاوہ سے سنا کہ وہ اپنی روایت میں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا اضافہ کرتے وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ۔

میں کہتا ہوں: روایت میں فی کثیب سے مراد ہے کہ جنتی کافور کے سفید ٹیلے پر ہوں گے، جس طرح حضرت حسن بصری سے ایک مرسل روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جنتی ہر جمعہ کو اپنے رب کا دیدار کریں گے جب کہ وہ کافور کے ٹیلہ پر ہوں گے'' (1)۔ ہم نے اس کا ذکر کتاب التذکرہ میں کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ''مَزِيدٌ سے مراد ہے کہ ان کی شادیاں حورعین سے کردی جائیں گی'' اسے حضرت ابوسعید خدری نے مرفوع نقل کیا ہے۔

وَ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا فِي الْبِلَادِ ۭ هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ ۝ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ۝ وَ لَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۖ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ۝

''اور قریش مکہ سے پہلے ہم نے برباد کردیا بہت سی قوموں کو جو شوکت و قوت میں ان سے کہیں زیادہ تھیں وہ گھومتے رہتے شہروں میں، کیا انہیں عذاب الٰہی سے کوئی پناہ ملی۔ بے شک اس میں نصیحت ہے اس کے لیے جو دل (بینا) رکھتا ہو یا (کلام الٰہی) کان لگا کر سنے متوجہ ہو کر۔ اور ہم نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دنوں میں اور ہمیں تھکن نے چھوا تک نہیں''۔

وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ یعنی اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی قوم سے پہلے کتنی ہی قوموں کو ہم نے ہلاک کیا جب کہ وہ ان سے زیادہ طاقت اور قوت والے تھے۔ فَنَقَّبُوْا فِي الْبِلَادِ وہ شہروں میں چلے تاکہ بھاگ جانے کی کوئی جگہ تلاش کریں۔ ایک قول یہ کیا گیا: انہوں نے شہروں میں اثرات چھوڑے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ مجاہد نے کہا: انہوں نے سفر کیا اور چکر لگایا۔ نضر بن شمیل نے کہا: انہوں نے چکر لگایا۔ قتادہ نے کہا: انہوں نے طواف کیا۔ معرج نے کہا: وہ دور تک چلے گئے؛ اسی معنی میں امراء القیس کا شعر ہے:

وقد نَقَّبْتُ فی الآفاق حَتّٰی رَضِیتُ من الغنیمۃِ بالإیابِ (2)

میں آفاق میں دور تک گیا یہاں تک کہ میں غنیمت کی بجائے لوٹ آنے پر راضی ہو گیا۔

پھر یہ کہا گیا: انہوں نے تجارت کی غرض سے دور دراز شہروں میں چکر لگایا، کیا انہوں نے موت سے بچنے کی کوئی جگہ پائی۔ ایک قول یہ کیا گیا: انہوں نے شہروں میں چکر لگایا وہ موت سے بچنے کی کوئی پناہ چاہتے تھے۔ حارث بن حلزہ نے کہا:

نَقَّبُوا فی البلادِ من حَذَرِ الموتِ وجالُوا فی الأرضِ کُلَّ مَجَالِ (3)

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 67 2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 355 3۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 390

وہ موت کے ڈر سے شہروں میں گھومے پھرے اور زمین میں ہر جگہ چکر لگایا۔

حضرت حسن بصری اور ابو العالیہ نے فنقبوا پڑھا ہے۔ نقب کا معنی پھاڑنا اور کسی شے میں داخل ہونا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: نقب کا معنی پہاڑ میں راستہ ہے؛ اسی سے منقب اور منقبہ ہے۔ یہ ابن سکیت سے مروی ہے نقب الجدار نقبا اس نے دیوار کو پھاڑا اور اندر داخل ہو گیا۔ اس نقبہ کا نام نقب بھی ہے نقب کی جمع نقوب بھی ہے۔ سلمی اور یحییٰ بن یعمر نے فنقبوا پڑھا ہے صیغہ امر کا ہے اور دھمکی کے لیے ہے یعنی شہروں میں گھومو پھرو اور اس میں چلو اور دیکھو۔

هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ ۝ کیا موت سے بھاگ جانے کی کوئی جگہ ہے؛ ثعلبی نے اسے ذکر کیا ہے۔ قشیری نے اسے فنقِبوا قاف کے کسرہ اور تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے یعنی وہ اس میں زیادہ چلے یہاں تک کہ ان کی سواریوں کے پاؤں گھس گئے۔ جوہری نے کہا: نقب البعیر جب اس کے پاؤں گھس جائیں۔ انقب الرجل جب آدمی کے اونٹ کے پاؤں گھس جائیں۔ نقب الخف الملبوس جب پہنا ہوا موزہ پھٹ گیا۔ محیص یہ حاص یحیص کا مصدر ہے اس کا مصدر حیصا، حیوصا، محیاصا، محاصا اور حیصانا بھی آتا ہے معنی پھر جانا، بھٹک جانا۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: ما عنہ محیص یعنی کوئی بھاگنے کی جگہ نہیں۔ انحیاص بھی اس کی مثل ہے حمایتیوں کے لیے کہا جاتا ہے: حاصوا عن العدو اور دشمنوں کے لیے کہا جاتا ہے: انہزموا دونوں کا معنی بھاگ گئے۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى یعنی اس صورت میں جو ہم نے ذکر کیا ہے وہ نصیحت ہے۔ **لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ** یعنی جس کی عقل ہو جس کے ساتھ وہ سوچ وبچار کرے۔ قلب، عقل سے کنایہ ہے کہ دل عقل کی جگہ ہے؛ یہ معنی مجاہد اور دوسرے علماء نے کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس کی زندگی اور امتیاز کرنے والا نفس ہو۔ زندہ نفس کو دل سے تعبیر کیا ہے کیونکہ دل نفس کا وطن اور زندگی کا معدن ہے؛ جس طرح امرء القیس نے کہا:

أَغَرَّكِ مِنِّي أَنَّ حُبَّكِ قَاتِلِي　　وَأَنَّكِ مَهْمَا تَأْمُرِي الْقَلْبَ يَفْعَلِ(1)

تجھے میرے بارے میں اس چیز نے دھوکہ میں مبتلا کر دیا ہے کہ تیری محبت مجھے قتل کرنے والی ہے اور تو دل کو جو حکم دے گی وہ کر گزرے گا۔

قرآن حکیم میں ہے: **لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا** (یٰسین:60) یحییٰ بن معاذ نے کہا: دل دو قسم کے ہیں (۱) جو دنیا کے مشاغل سے بھرا ہوتا ہے یہاں تک کہ جب امور آخرت میں سے کوئی امر اسے لاحق ہوتا ہے وہ نہیں جانتا کہ کیا کرے (۲) اور دوسرا ایسا دل ہے جو آخرت کی ہولناکیوں سے بھرا ہوتا ہے جب امور دنیا میں سے کوئی اسے لاحق ہوتا ہے تو وہ نہیں جانتا کہ کیا کرے کیونکہ اس کا دل آخرت میں گم ہوتا ہے۔

اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ یعنی وہ قرآن سنے عرب کہتے ہیں اَلقِ الی سمعک یعنی میری بات سنو۔ سورۂ طہٰ میں سننے کی کیفیت اور اس کا ثمرہ گزر چکا ہے۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 356

وَهُوَ شَهِيدٌ ﴿۳۷﴾ یعنی دل حاضر ہو۔ زجاج نے کہا: جو سن رہا ہے اس میں دل حاضر ہو۔ سفیان نے کہا: ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ خود حاضر ہو اور دل غائب ہو۔ پھر یہ کہا گیا ہے: آیت اہل کتاب کے لیے ہے؛ یہ مجاہد اور قتادہ کا قول ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: یہ یہودیوں اور نصاریٰ کے بارے میں خاص ہے (1)۔ محمد بن کعب اور ابوصالح نے کہا: یہ اہل قرآن کے بارے میں خاص ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۖ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ﴿۳۸﴾ سورۂ اعراف اور دوسری سورتوں میں بحث گزر چکی ہے۔ لُغُوْبٍ کا معنی تھکاوٹ ہے۔ تو اسی معنی میں کہتا ہے: لَغَبَ یلغُب لغوبا اور لغِب یلغَب لغوبا۔ اس میں ضعیف لغت ہے الغبتہ انا یعنی میں نے اسے تھکا دیا۔ قتادہ اور کلبی نے کہا: یہ آیت مدینہ طیبہ کے یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی (2) جنہوں نے یہ گمان کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا ان میں سے پہلا دن اتوار اور آخری جمعہ تھا اور ہفتہ کے روز آرام کیا تو انہوں نے اسے راحت بنا دیا اللہ تعالیٰ نے انہیں اس بارے میں جھٹلایا۔

فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ﴿۳۹﴾
وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ ﴿۴۰﴾

''پس آپ صبر فرمایئے ان کی (دل دکھانے والی) باتوں پر اور پاکی بیان کیجئے اپنے رب کی حمد کے ساتھ طلوع آفتاب سے پہلے اور غروب آفتاب سے پہلے اور رات کے وقت بھی اس کی پاکی بیان کیجئے اور نمازوں کے بعد بھی''۔

اس میں پانچ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے مشرک جو کچھ کہتے ہیں اس پر صبر کرنے کا حکم دیا، یعنی ان کے امر کو اپنے اوپر آسان کر دیجئے۔ یہ جہاد کا حکم نازل ہونے سے پہلے نازل ہوئی یہ منسوخ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کے لیے ثابت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے یہودی جو کہتے ہیں ان کے قول پر صبر کیجئے کہ ان کا قول یہ تھا: اللہ تعالیٰ نے ہفتہ کے روز آرام کیا۔

مسئلہ نمبر 2۔ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ﴿۳۹﴾ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد پانچ نمازیں ہیں۔ ابوصالح نے کہا: طلوع شمس سے پہلے صبح کی نماز ہے، غروب سے پہلے عصر کی نماز ہے۔ حضرت جریر بن عبداللہ نے اسے مرفوع نقل کیا ہے کہا ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے جب کہ آپ نے چودھویں رات کے چاند کو دیکھا فرمایا: ''خبردار! تم اپنے رب کا دیدار یوں کرو گے جس طرح تم اس چاند کو دیکھتے ہو تم اس کے دیدار کے لیے باہم بھیڑ نہیں کرو گے۔ اگر تم طاقت رکھو کہ سورج کے طلوع اور اس کے غروب سے پہلے کی نماز پر تم مغلوب نہ ہو۔ یعنی عصر اور فجر کی نماز'' (3)۔ پھر جریر نے اس آیت کی تلاوت کی۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے اور الفاظ مسلم شریف کے ہیں۔ حضرت ابن عباس

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 68
2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 356
3۔ صحیح بخاری، کتاب مواقیت الصلوٰۃ، باب فضل صلوٰۃ العصر، جلد 1، صفحہ 78

ابن جہانے کہا: قَبْلَ الْغُرُوْبِ سے مراد ظہر اور عصر کی نماز ہے اور وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ سے مراد مغرب اور عشاء کی نماز ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ تسبیح بالقول سے مراد سورج کے طلوع اور غروب سے پہلے الله تعالیٰ کی پاکی بیان کرنا ہے (1)؛ یہ عطا خراسانی اور ابو الاحوص کا نقطہ نظر ہے۔ بعض علماء نے کہا: قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ سے مراد فجر کی دو رکعتیں ہیں اور قَبْلَ الْغُرُوْبِ سے مراد مغرب کی نماز سے قبل دو رکعتیں ہیں۔ ثمامہ سے روایت مروی ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ مغرب کے فرائض سے پہلے دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔

صحیح مسلم میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ہم مدینہ طیبہ میں تھے جب موذن مغرب کی اذان دیتا تو صحابہ ستونوں کی طرف جلدی کرتے اور دو رکعت نماز ادا کرتے یہاں تک کہ اجنبی آدمی جب مسجد میں داخل ہوتا تو وہ گمان کرتا کہ نماز پڑھی جا چکی ہے کیونکہ نماز پڑھنے والوں کی تعداد زیادہ ہوتی۔ قتادہ نے کہا: میں نے حضرت انس اور حضرت ابو برزہ اسلمی کے سوا کسی کو یہ دو رکعتیں پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔

مسئلہ نمبر 3۔ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ۝ اس میں چار قول ہیں (۱) رات کے وقت الله تعالیٰ کی تسبیح بیان کرنا؛ یہ ابو الاحوص کا قول ہے (۲) یہ تمام رات کی نماز ہے؛ یہ مجاہد کا قول ہے (۳) یہ صبح کی دو رکعتیں ہیں؛ یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے (۴) یہ عشاء کی نماز ہے؛ یہ ابن زید کا قول ہے۔ ابن عربی نے کہا: جس نے کہا اس سے مراد رات کے وقت تسبیح ہے تو اس کی تائید صحیح روایت کرتی ہے "جو رات کو جاگا اور کہا: لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ اِلّا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ اِلّا باللہ العلی العظیم" (2) جس نے کہا: یہ رات کی نماز ہے نماز کو تسبیح کہتے ہیں کیونکہ نماز میں الله تعالیٰ کی تسبیح ہوتی ہے اس معنی میں سبحۃ الضحی (چاشت کے نوافل) ہے۔ جس نے کہا: اس سے مراد فجر یا عشاء کی نماز ہے کیونکہ دونوں رات کی نمازیں ہیں اور عشاء ان میں سے واضح ترین ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ۝ حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابو ہریرہ، حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہم، حضرت حسن بصری، امام نخعی، امام شعبی، امام اوزاعی اور زہری نے کہا: اَدْبَارَ السُّجُوْدِ سے مراد مغرب کے بعد دو رکعتیں ہیں اور ادبار النجوم سے مراد فجر سے پہلے دو رکعتیں ہیں؛ اسے عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے، حضرت ابن عباس نے اسے مرفوع نقل کیا ہے۔ رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "نماز مغرب کے بعد دو رکعتیں اَدْبَارَ السُّجُوْدِ ہے"۔ اسے ثعلبی نے ذکر کیا ہے اور ماوردی کے الفاظ ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں ایک رات گزاری تو آپ نے فجر کے فرائض سے پہلے دو رکعت نماز پڑھی پھر مسجد کی طرف نکلے فرمایا: "اے ابن عباس! فجر کی نماز سے پہلے دو رکعتیں ادبار النجوم ہیں اور مغرب کے بعد دو رکعتیں اَدْبَارَ السُّجُوْدِ ہیں" (3)۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 356 2۔ صحیح بخاری، کتاب التہجد، باب فضل من تعار من اللیل، جلد 1، صفحہ 155
3۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 357

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جس نے مغرب کی نماز کے بعد گفتگو سے پہلے دو رکعت نماز پڑھی تو اس کی نماز علیین میں لکھ لی گئی“۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: پہلی رکعت میں قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝ اور دوسری رکعت میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ پڑھی۔ مقاتل نے کہا: اس کا وقت اس وقت تک ہے جب تک شفق احمر غائب نہ ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے: مراد نماز وتر ہے۔ ابن زید نے کہا: یہ فرائض کے بعد نوافل ہیں یعنی ہر فرض نماز کے بعد دو رکعات ہیں۔ نحاس نے کہا: ظاہر اس قول پر دلالت کرتا ہے مگر زیادہ موزوں اکثر کی اتباع ہے۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے یہی صحیح ثابت ہے۔ ابو احوص نے کہا: اس سے مراد نماز کے بعد تسبیح ہے۔ ابن عربی نے کہا: جو نظر و فکر میں قوی ہے۔ حدیث صحیح میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرض نماز کے بعد یہ پڑھا کرتے تھے: لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر اللّٰھم لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذا الجد منك الجد (1)۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ وحدہ لاشریک ہے اس کے لیے بادشاہی ہے، وہی حمد کے لائق ہے، وہ ہر شے پر قادر ہے۔ اے اللہ! جو تو عطا کرے اس کو روکنے والا کوئی نہیں اور جو تو روک لے اس کو عطا کرنے والا کوئی نہیں اور کسی صاحب مال کو مال نفع دینے والا نہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ حکم فرائض کے ساتھ منسوخ ہو گیا ہے پانچ نمازوں کے علاوہ کوئی نماز فرض نہیں، اسے ایک جماعت نے نقل کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ نافع، ابن کثیر اور حمزہ نے اِدْبَارَ السُّجُوْدِ ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے یہ ادبر الشی سے مصدر ہے جب وہ پھرے۔ باقی نے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے یہ دبر کی جمع ہے؛ یہ حضرت علی شیر خدا اور حضرت ابن عباس کی قرأت ہے۔ اس کی مثل طنب اور اطناب ہے یا یہ دُبُر کی جمع ہے جس طرح قفل اور اقفال آتی ہے۔ علماء نے اسے ظرف کے طور پر استعمال کیا ہے جس طرح تو کہتا ہے: جئتك فی دبر الصلوۃ وفی أدبار الصلوۃ سورۂ طہ کے آخر میں جو وادبار النجوم ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں اس سے مراد اس کی روشنی کا چلے جانا ہے جب فجر ثانی طلوع ہو۔ فجر ثانی سے مراد وہ سفیدی ہے جو رات کی سیاہی سے پھوٹتی ہے۔

وَ اسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴿۴۱﴾ يَّوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِ ﴿۴۲﴾ اِنَّا نَحْنُ نُحْيٖ وَ نُمِيْتُ وَ اِلَيْنَا الْمَصِيْرُ ﴿۴۳﴾ يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ؕ ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ ﴿۴۴﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَ مَاۤ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ ۫ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ﴿۴۵﴾

1۔ صحیح بخاری، کتاب الدعوات، باب الدعاء بعد الصلوۃ، جلد 2، صفحہ 937

''اور کان کھول کر سنو اس دن کے بارے میں جب پکارنے والا قریب سے پکارے گا جس دن سنیں گے سب لوگ ایک گرج دار آواز بالیقین وہی دن (قبروں سے) نکلنے کا دن ہوگا۔ بے شک ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہماری طرف ہی (سب نے) لوٹنا ہے جس روز زمین پھٹ جائے گی ان کے اوپر سے جلدی سے نکل پڑیں گے یہی حشر ہے، یہ ہمارے لیے بالکل آسان ہے۔ ہم خوب جانتے ہیں جو وہ کہتے ہیں اور آپ ان پر جبر کرنے والے نہیں پس آپ نصیحت کرتے رہیے اس قرآن سے ہر اس شخص کو جو (میرے) عذاب سے ڈرتا ہے''۔

وَ اسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ، **اِسْتَمِعْ** کا مفعول محذوف ہے مراد ہے ندا اور آواز کو سنو یا صیحہ کو سنو۔ اس سے مراد صیحہ قیامت ہے اور وہ نفخہ ثانیہ ہے ندا کرنے والے جبریل امین ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ حضرت اسرافیل ہیں۔ زمخشری نے کہا: ایک قول یہ کیا گیا ہے حضرت اسرافیل صور پھونکیں گے اور حضرت جبریل امین منادی کریں گے، وہ حشر بپا ہونے کا اعلان کریں گے، وہ کہیں گے: حساب کے لیے آؤ۔ اس تعبیر کی بنا پر ندا میدان حشر میں ہوئی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: **اِسْتَمِعْ** کا مفعول یہ نداء الکفار ہے وہ ویل اور ہلاکت کی ندا کریں گے یعنی قریب سے اس ندا کو سنو، یعنی سب اس آواز کو سنیں گے کوئی بھی اس نداء سے دور نہیں ہوگا۔ عکرمہ نے کہا: رحمن کا منادی ندا کرے گا گویا وہ ان کے کانوں میں ندا کرے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مکان قریب سے مراد بیت المقدس کا صخرہ ہے۔

ایک قول یہ کیا جاتا ہے: یہی زمین کا وسط ہے اور زمین کا یہ حصہ آسمان سے دوسری جگہ کی بنسبت بارہ میل قریب ہے۔ کعب نے کہا: اٹھارہ میل قریب ہے۔ پہلا قول زمخشری اور قشیری نے نقل کیا ہے۔ دوسرا قول ماوردی نے ذکر کیا ہے۔ حضرت جبرئیل امین یا حضرت اسرافیل صخرہ پر کھڑے ہوں گے وہ حشر بپا ہونے کا اعلان کریں گے: اے بوسیدہ ہڈیو! اور ٹوٹے ہوئے جوڑو! اے فنا ہونے والے کفنو! اے خالی دلو! اے فاسد بدنو! اے بہنے والی آنکھ! رب العالمین کے حضور پیشی کے لیے اٹھ کھڑے ہو۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد حضرت اسرافیل ہیں جو صور والے ہیں۔

يَّوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ، **الصَّيْحَةَ** سے مراد دوبارہ اٹھائے جانے کا صیحہ ہے خروج کا معنی حساب کے لیے جمع ہونا ہے۔ **ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِ** یعنی یہ قبروں سے نکلنے کا دن ہے۔ **اِنَّا نَحْنُ نُحْيٖ وَ نُمِيْتُ** یعنی ہم زندوں کو موت دیتے ہیں اور مردوں کو زندہ کرتے ہیں۔ یہاں حقیقت کو ثابت کیا۔ **يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا** یعنی وہ منادی جو صور پھونکنے والا ہے وہ اس کی آواز پر جلدی سے بیت المقدس کی طرف جائیں گے۔

ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ یعنی آسان ہے۔ کوفیوں نے پڑھا تشقق یعنی شین تخفیف کے ساتھ ہے اور پہلی تاء محذوف ہے باقی قراء نے تاء کو شین میں مدغم کیا ہے۔ ابن محیصن، ابن کثیر اور یعقوب نے المنادی کی یاء کو اصل پر دونوں حالتوں میں ثابت رکھا ہے نافع اور ابو عمرو نے فصل میں ثابت رکھا ہے کسی اور صورت میں ثابت نہیں رکھا۔ باقی قراء نے

دونوں حالتوں میں اسے حذف کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: سنت نے اس آیت کی مزید وضاحت کر دی ہے امام ترمذی نے حضرت معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے شام کی طرف اشارہ کیا فرمایا: ''یہاں سے لے کر وہاں تک تمہیں جمع کیا جائے گا تم سوار اور پیدل ہو گے، قیامت کے روز تمہیں منہ کے بل گھسیٹا جائے گا، تمہارے مونہوں پر فدام (وہ چیز جو جانوروں کے منہ پر چڑھا دی جاتی ہے تا کہ وہ چر نہ سکے) ہو گا تم ستر امتوں کو پورا کرو گے اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے بہترین اور معزز ہو گے تمہاری جانب سے سب سے پہلے جو چیز حقیقت حال کا اظہار کرے گی وہ تمہاری ران ہو گی''۔ ایک دوسری روایت میں ہے ''تمہاری ران اور تمہاری ہتھیلی ہو گی''۔

علی بن سعید نے حضرت ابو ہریرہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں اس میں ہے: ''اللہ تعالیٰ حضرت اسرافیل سے فرمائے گا دوبارہ اٹھانے کا نفخہ پھونکو وہ صور پھونکیں گے تو روحیں شہد کی مکھیوں کی طرح نکل پڑیں گی وہ زمین و آسمان کو بھر دیں گے اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: میری عزت و جلال کی قسم! ہر روح اپنے جسم میں لوٹ جائے تو روحیں زمین میں اپنے جسموں میں داخل ہو جائیں گی پھر وہ ناک کے بانسوں میں داخل ہوں گی تو وہ روحیں جسموں میں یوں سرائیت کر جائیں گی جس طرح زہر اس ذات میں سرایت کرتی ہے جس کو ڈسا گیا ہو پھر زمین پھاڑ دی جائے گی میں وہ پہلا شخص ہوں گا جس سے زمین پھٹے گی تم زمین سے نوجوانوں کی طرح اٹھو گے سب کی عمریں تیئس 23 سال کی ہوں گی اس روز زبان سریانی ہو گی'' اور حدیث بیان کی میں نے ان کا اور دوسرے لوگوں کا ذکر اپنی کتاب ''التذکرہ'' میں مفصل کیا ہے۔ الحمد للہ۔

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وہ جو آپ کی تکذیب کرتے ہیں اور جو آپ کو گالیاں دیتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں جانتا ہے۔ **وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ** یعنی آپ ان پر مسلط نہیں کہ آپ انہیں اسلام کی طرف زبردستی لے آئیں یہ آیت جہاد والی آیت کے ساتھ منسوخ ہے۔ جبار جبریہ سے مشتق ہے۔ جبار کو مجبر کے معنی میں نہیں لایا جاتا۔

جس طرح خراج مخرج کے معنی میں نہیں ہوتا؛ قشیری نے اسے بیان کیا ہے۔ نحاس نے کہا: معنی ہے آپ انہیں مجبور کرنے والے نہیں یہ سراسر غلطی ہے کہ افعل سے مفعل کے معنی میں نہیں ہوتا۔ ثعلبی نے حکایت بیان کی ہے فعال کا صیغہ مفعل کے معنی میں آتا ہے جب کہ یہ شاذ ہے جبار، مجبر کے معنی میں دراک، مدرک کے معنی میں، سراع، مسرع کے معنی میں بکاء، مبک کے معنی میں اور عداء، معد کے معنی میں ہے۔ رشاد، مرشد کے معنی میں ہے اس سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اسی طرح **اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ** (الکہف: 79) پڑھا گیا ہے جو مسکین کے معنی میں ہے۔ ابو حامد خارزنجی نے کہا: عرب کہتے ہیں سیف سقاط یہاں سقاط، مسقط کے معنی میں ہے، ایک قول یہ کیا گیا ہے: جبار کا معنی مسیطر ہے، جس طرح سورۂ غاشیہ میں ہے **لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ** ﴿۲۲﴾۔ فراء نے کہا: میں نے

ایک عرب سے سنا جو کہہ رہا تھا جبرہ علی الأمر یعنی اس پر سختی سے لازم کیا۔ اس لغت کی بنا پر جبار کو قہر کے معنی میں لینا صحیح ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: جبار یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے جبرہ علی الامرفلاں نے اسے مجبور کیا۔ یہ لغت کنانیہ ہے یہ دونوں لغتیں ہیں۔ جوہری نے کہا: اجبرتہ علی الامر یعنی میں نے اسے امر پر مجبور کیا۔ اجبرتہ کا معنی ہے میں نے اسے جبر کی طرف منسوب کیا جس طرح تو کہتا ہے: اکفرتہ یعنی تو نے اسے کفر کی طرف منسوب کیا۔

فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ! کاش آپ ہمیں ڈراتے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ یعنی جو میری نافرمانی کرے گا میں نے اس کے لیے عذاب تیار کر رکھا ہے (1)۔ وعید سے مراد عذاب اور وعد سے مراد ثواب ہے۔ شاعر نے کہا:

وإنّي وإنْ أوْعَدْتُهُ أو وَعَدْتُهُ لَمُخْلِفُ إِيعَادِي و مُنْجِزُ مَوْعِدِي

اگر میں اسے دھمکی دوں یا اس سے وعدہ کروں میں اپنی دھمکی کی خلاف ورزی کرنے والا اور اپنے وعدہ کو پورا کرنے والا ہوں۔

قتادہ یوں دعا کیا کرتے تھے: اے اللہ! مجھے ان لوگوں میں سے بنادے جو تیری دھمکی سے ڈرتے ہیں اور تیرے وعدہ کی امید رکھتے ہیں۔ یعقوب نے دونوں حالوں میں وعیدی کی یاء کو ثابت رکھا ہے۔ ورش نے وصل میں ثابت رکھا ہے اور وقف میں گرادیا ہے اور باقی قراء نے دونوں حالتوں میں اسے حذف کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 359